سرگذشتِ ہاشمی





پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

نسب نامہ حریت

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ نے ۲۳ مارچ ۱۹۳۹ء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

میں ان سوروں کا ریوڑ بھی چرانے کو تیار ہوں جو برٹش امپریلزم کی کھیتی کو ویران کرنا چاہیں...... میں کچھ نہیں چاہتا...... ایک فقیر ہوں...... اپنے ناناﷺ کی سنت پر مرمٹنا چاہتا ہوں اور کچھ چاہتا ہوں تو صرف اس ملک سے انگریز کا انخلاء دو ہی خواہشیں ہیں...... میری زندگی میں یہ ملک آزاد ہو جائے یا پھر میں تختۂ دار پر لٹکا دیا جاؤں......

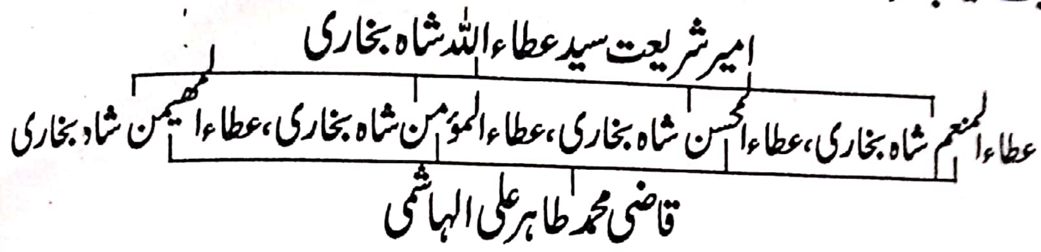
میں ان علمائے حق کا پرچم لئے پھرتا ہوں جو ۱۸۵۷ء میں فرنگیوں کی تیغ بے نیام کا شکار ہوئے تھے...... رب ذوالجلال کی قسم مجھے اس کی کچھ پروا نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں...... لوگوں نے پہلے ہی کب کسی سرفروش کے بارے میں راست بازی سے سوچا ہے...... وہ شروع سے تماشائی ہیں...... اور تماشا دیکھنے کے عادی......

میں اس سرزمین میں مجدد الف ثانی کا سپاہی ہوں...... شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کا متبع ہوں...... سید احمد شہید کی غیرت کا نام لیوا...... اور شاہ اسماعیل شہید کی جرأت کا پانی دیوا ہوں...... میں ان پانچ مقدمہ ہائے سازش کے پابۂ زنجیر صلحائے امت کے لشکر کا ایک خدمت گذار ہوں...... جنہیں حق کی پاداش میں عمر قید اور موت کی سزائیں دی گئیں ہاں! ہاں! میں ان ہی کی نشانی ہوں...... انہی کی صدائے بازگشت ہوں...... میری رگوں میں خون نہیں...... آگ دوڑتی ہے...... میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں قاسم نانوتوی کا علم لے کر نکلا ہوں...... میں نے شیخ الہند کے نقش قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے...... میں زندگی بھر اسی راہ پر چلتا رہا ہوں اور چلتا رہوں گا...... میرا اس کے سوا کوئی مؤقف نہیں...... میرا ایک ہی نصب العین ہے اور وہ برطانوی سامراج کو کفنانا یا دفنانا......

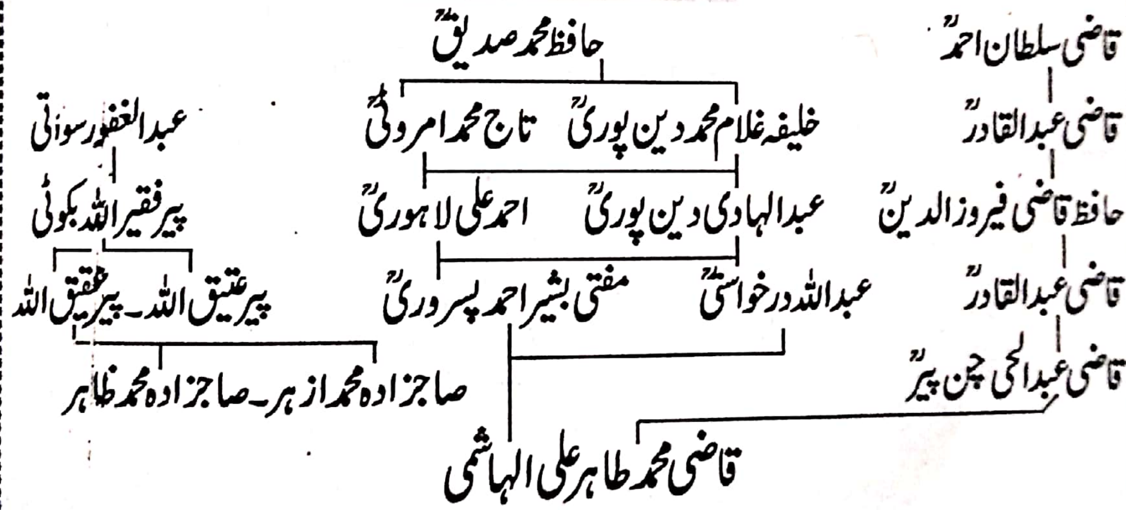
ہر شخص اپنا شجرہ نسب ساتھ رکھتا ہے...... میرا یہی شجرہ نسب ہے...... میں سر اونچا کر کے فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں اس خاندان کا ایک فرد ہوں۔

{ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان امیر شریعت نمبر حصہ اول ص ۲۲}

الحمد للہ ! راقم الحروف کا تعلق دور طالب علمی (زمانہ قیام بہاولپور ۱۹۶۳ء......۱۹۷۲ء) سے ہی ابنائے امیر شریعتؒ سید عطاء المنعم شاہ بخاری، سید عطاء المحسن شاہ بخاری، سید عطاء المؤمن شاہ بخاری (اور بعد میں پیر جی سید عطاء المھیمن بخاریؒ) سے رہا ہے۔ اس لئے راقم کا بھی ''نسب نامہ حریت'' یہی ہے۔ باری تعالیٰ ہمیں اس شجرہ میں مذکورہ خاندان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور آخرت میں بھی اس خاندان کی معیت نصیب فرمائے



مؤلف کا شجرہ روحانی



احب الصالحین ولست منهم لعل الله یرزقنی صلاحا

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یاجریر المجامع

مؤلف کا شجرہ فکری

حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

حضرت شیخ الہند محمود حسنؒ — مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ — حضرت عبدالشکور لکھنویؒ

مولانا انور شاہ کشمیری — مولانا محمد الیاس دہلویؒ

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ — مفتی بشیر احمد پسروریؒ — مولانا منظور نعمانیؒ — سید ابوالحسن علی ندوی

قاضی محمد طاہر علی

احب الصالحین ولست منهم لعل الله یرزقنی صلاحا

اولئک آبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یاجریر المجامع

بانی تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے مرشد و مربی حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی "ردروافض" میں لگن اور تڑپ آگے زیرعنوان "دعوت و تبلیغ" ملاحظہ فرمائیں۔

سردار احمد خان صاحب پتافی بانی جمعیۃ تنظیم اہل سنت رئیس اعظم جام پور، ڈیرہ غازی خان نے جماعتی طور پر فیصلہ کیا کہ پنجاب میں روافض کے بڑھتے ہوئے فتنہ کے پیش نظر گیارہ مستند علماء لکھنؤ روانہ کئے جائیں جو علامہ عبدالشکور صاحب لکھنویؒ سے تربیت حاصل کریں۔ ان کے تمام اخراجات کی ذمہ داری مذکورہ تنظیم پر ہوگی۔ چنانچہ ۱۹۴۶ء میں رئیس المناظرین مولانا لال حسین اختر کی سربراہی میں یہ جماعت لکھنو پہنچی۔ اس میں حضرت مفتی بشیر احمد صاحب پسروریؒ بھی شریک تھے۔ اس جماعت نے وہاں دو ماہ تک تربیت حاصل کی۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے اسی تربیت کے دوران "تحقیق متعہ" کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ امام اہل سنت نے اس پر بایں الفاظ تقریظ لکھی:

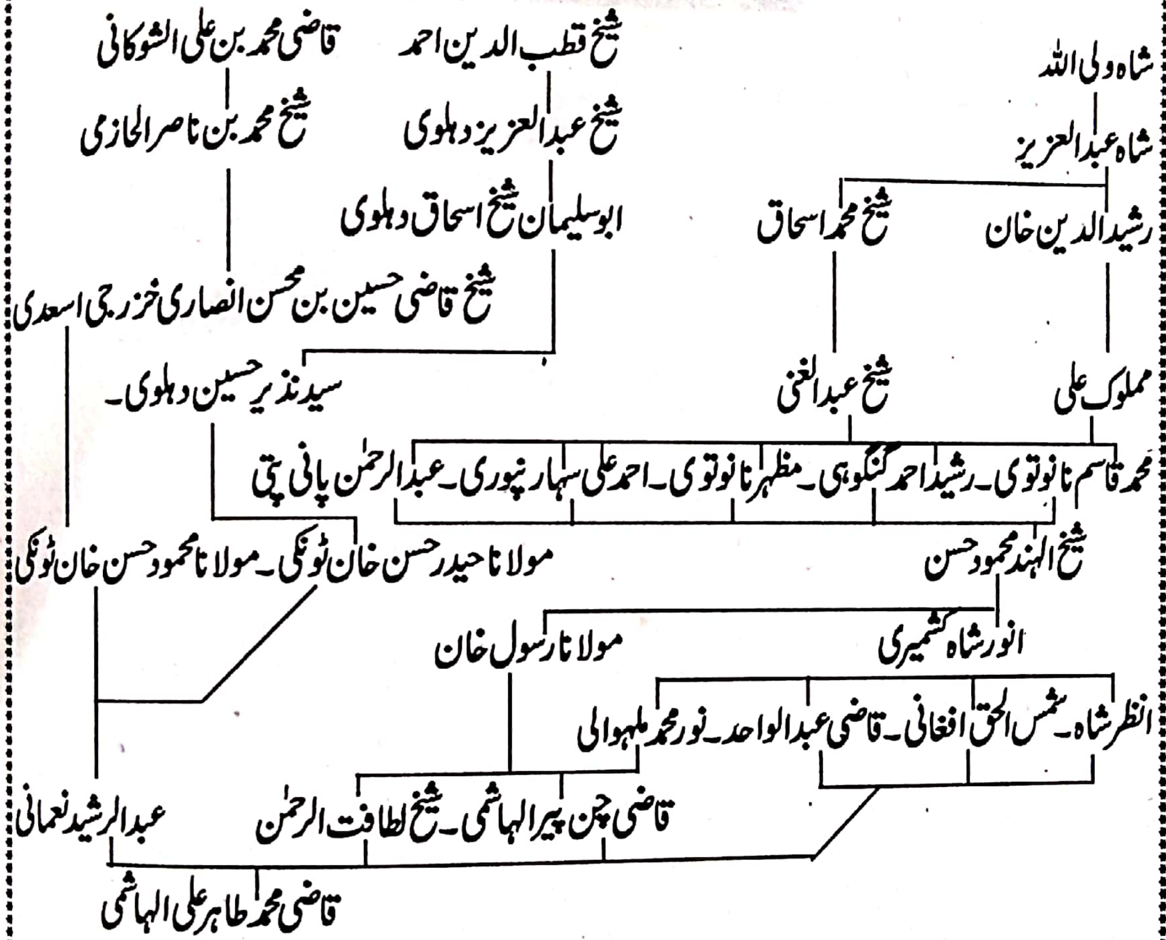
یہ رسالہ مولانا بشیر احمد صاحب خطیب جامع مسجد پسرور نے اپنے زمانہ قیام دارالمبلغین میں تالیف کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مؤلف کو جزائے خیر دے۔ اس مبحث میں معلومات کا ایک ذخیرہ انہوں نے جمع کر دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ مفتی صاحب اس مشغلہ کو جاری رکھیں گے تو انشاء اللہ پنجاب میں فتنہ رفض جو ترقی کر رہا ہے اس کے

مقابلہ میں بہترین کام کرنے والوں میں ان کا شمار ہوگا۔ صدق الله ظني فيه

بعد میں حضرت مفتی بشیر احمد صاحبؒ دار المبلغین لکھنؤ کے رفیق مقرر ہوئے اور روافض کے خلاف تربیت دینے کیلئے وہاں جاتے رہے۔

{بحوالہ شیخ التفسیر حضرت لاہوری اوران کے خلفاء ص ۲۳۳۔۲۳۸ ملخصاً}

مؤلف کا شجرہ علمی



احب الصالحين ولست منهم لعل الله يرزقني صلاحا

اولئك آبائي فجئني بمثلهم اذا جمعتنا ياجرير المجامع

﴿خاندان﴾

قاضی سلطان احمد

قاضی عبدالقادر

قاضی پیر محمد

قاضی تاج محمد

قاضی فیروزالدین

قاضی فضل احمد۔ قاضی ابراہیم۔ قاضی صالح محمد۔ قاضی نیک محمد

سید نور۔ حیات اللہ (بنگال)۔ پیر فقیر اللہ بکوٹی

قاضی عبدالقادر

قاضی غلام ربانی

پیر عتیق اللہ۔ پیر عقیق اللہ

صاجزادہ محمد ازہر۔ صاجزادہ محمد ظاہر

قاضی عبدالحی چن پیر

قاضی عبدالواحد۔ قاضی محمد یونس۔ قاضی عبدالاحد

قاضی محمد طاہر علی

قاضی محمد ظاہر علی۔ قاضی محمد زاہد علی

اس خاندان کا شجرہ نسب حضرت علیؓ کے ساتھ جا ملتا ہے۔ ان کے جد امجد حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی طرف سے خلافت پا کر عرب سے ہندوستان میں آئے اور ان کی اولاد نے مختلف علاقوں میں دینی، ملی اور قومی خدمات سرانجام دیں۔ پھر وہاں سے بسلسلہ دعوت و تبلیغ کشمیر علاقہ چکار میں وادر ہوئے۔ {تاریخ مغل قبائل مؤلفہ بشیر احمد صدیقی ص ۸۱۵، تاریخ علوی اعوان مؤلفہ محبت حسین اعوان ص ۵۴۴، تاریخ ہزارہ مؤلفہ ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی ص ۶۹۱ ـ ۶۹۲ بحوالہ تذکرہ علماء ہزارہ مؤلفہ محمد خواص خان ص ۱۷۳}

راقم الحروف کے پردادا قاضی حافظ فیروز الدین صاحب کے بھائی قاضی نیک محمد سید احمد شہید کی تحریک حریت کی حمایت کی پاداش اور گاؤ کشی کے مسئلہ میں سکھوں کے عہد میں سکھوں کے ہاتھوں انتہائی اذیت ناک طریقے سے شہید ہوئے اور چکار کے قریب ان کی تدفین ہوئی۔ قاضی فیروز الدین صاحب کے دوسرے بھائی قاضی صالح محمد صاحبؒ بسلسلہ دعوت و تبلیغ بکوٹ میں سکونت پذیر ہو گئے اور ایک مسجد میں امامت اور درس و تدریس کے فرائض سرانجام دینے لگے (یہ ملحوظ رہے کہ بعد میں حضرت پیر فقیر اللہ بکوٹی اسی مسجد میں اپنے استاذ قاضی فیروز الدین صاحب کے حکم پر درس و تدریس اور امامت کیلئے تشریف لے گئے تھے) یہاں تک کہ انہوں نے بکوٹ ہی میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

جبکہ قاضی فیروز الدین صاحبؒ اپنے بڑے بھائی علامہ قاضی فضل احمد صاحبؒ کے ہمراہ لوگوں کو سید احمد شہید کی زیر قیادت سکھوں کے خلاف جہاد پر آمادہ کرتے ہوئے پشاور تشریف لے آئے اور یہاں جہاد کی تیاری کے ساتھ ساتھ محلّہ سرآسیا میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ اسی دوران جب محمد اکبر خان اور سکھوں کے درمیان جمرود کے مقام پر جنگ ہوئی تو قاضی فضل احمد صاحب ایک تازہ دم لشکر لے کر موقع پر پہنچ گئے اور سکھوں نے میدان جنگ سے فرار میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔ موصوفؒ نے اپنی قلمی کتاب "جاربردی" کے آخر میں کتاب کی تکمیل کی تاریخ بایں الفاظ بیان کی ہے:

ایں نسخہ اتمام یافت در بلدہ پشاور در مسجد ملا فصیح در ہنگامہ جنگ اکبر خان با کفار ناہنجار در موضع جمرود باہری سنگھ وغیرہ بروز جمعہ بوقت چاشت بتاریخ ہشتم ۱۲۵۳ھ یک ہزار و دو صد و پنجاہ و سہ

دیکھا ہے جو ۱۹۷۷ء کی ''تحریک نظام مصطفیٰ'' میں حصہ لینے کی وجہ سے نہ صرف والد صاحبؒ سے الگ ہو گئے تھے بلکہ علی الاعلان انہوں نے نماز جیسا فریضہ بھی گستاخ صحابہؓ محمود شاہ محدث ہزاروی کی اقتداء میں ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔ حالانکہ ''تحریک نظام مصطفیٰ'' بظاہر دینی تحریک تھی مگر در پردہ اور درحقیقت یہ تحریک محض سیاسی تھی جو سیاسی پنڈتوں نے اپنے مقاصد اور مفادات حاصل کرنے کیلئے علماء کی قیادت میں چلائی تھی۔ اس کا مفصل ذکر آگے مستقل عنوان ''تحریک نظام مصطفیٰ'' کے تحت آرہا ہے۔

والد صاحبؒ نے مروجہ جمہوری سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی تھی مگر جہاں تک اسلام کے نظریہ سیاست کا تعلق ہے تو وہ اسے حسب ضرورت وحسب موقع اپنے خطبات وتقاریر میں ضرور بیان کرتے رہے اور نظام خلافت راشدہ کی اہمیت وافادیت اور اس کے نفاذ پر زور دیتے رہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر تو انہوں نے ''تحریک نظام مصطفیٰ'' میں بھرپور حصہ لیا تھا۔

انہوں نے مرکزی جامع مسجد کے سٹیج کو اپنی مساعی جمیلہ سے غیر سیاسی اور ''مسلک علماء دیوبند'' کے سٹیج میں تبدیل کر دیا تھا۔ حویلیاں جیسی ''رفض وبدعت'' کی آلودہ فضا میں یہ ایک عظیم کامیابی تھی۔ اس وقت کسی کے حاشیۂ ذہن میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس سٹیج پر مولانا احمد علی لاہوری، مولانا عبداللہ درخواستی، مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، مولانا محمد اجمل خان، علامہ خالد محمود، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا لعل حسین اختر، مولانا دوست محمد قریشی، مولانا محمد انظر شاہ کشمیری، مولانا عبدالرحمٰن جامی، مولانا مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا عبد الشکور دین پوری، مولانا مجاہد الحسینی، مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی، مولانا محمد اجمل قادری، مفتی بشیر احمد پسروری، امیر عزیمت مولانا حق نواز جھنگوی، مؤرخ اسلام علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی، ترجمان اہلسنت مولانا محمد اعظم طارق، مناظر اسلام علامہ علی شیر حیدری اور شہید اسلام مولانا محمد عبداللہ وغیرہم جیسی شخصیات رونق افروز ہو کر دعوت وتبلیغ کا فریضہ ادا کریں گی۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدارین٥

﴿تحریک دعوت وتبلیغ﴾

دعوت وتبلیغ کے لفظی معنی بلانے اور پہنچانے کے ہیں جبکہ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کے پیغام کو لوگوں تک وضاحت کے ساتھ پہنچانے اور دین کی طرف لوگوں کو بلانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں سے جو کام لینا چاہتا ہے اس کیلئے قرآن وحدیث میں بہت سی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں جیسے ''دعوت الی الخیر، انذار وتبشیر، شہادت علی الناس، تذکیر واصلاح، جہاد فی سبیل اللہ، اظہار دین، اقامت دین، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، اعلاء کلمۃ اللہ، تواصی بالحق والصبر اور تعاون علی البر'' وغیرہ ان اصطلاحات میں ایک اصطلاح ''دعوت وتبلیغ'' بھی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ان اصطلاحات کے درمیان معمولی فرق واختلاف ہے۔ کسی اصطلاح میں اس کام کا کوئی ایک خاص پہلو اجاگر کیا گیا ہے اور کسی میں اس کا دوسرا پہلو پیش ہوا ہے۔ کسی کے مفہوم میں وسعت ہے اور کسی میں محدودیت ہے لیکن اس کے باوجود ان میں ایک ہی حقیقت بیان ہوئی ہے اور ایک ہی مقصد ظاہر کیا گیا ہے۔ دعوت وتبلیغ ایک جامع اصطلاح ہے۔ نبی اکرم ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کی وجہ سے اب کار نبوت کی ذمہ داری قیامت تک کیلئے امت مسلمہ پر عائد ہو گئی ہے۔ الحمد للہ علماء امت نے ہر دور میں اس عظیم ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے انفرادی واجتماعی سطح پر تدریجاً وتعلیماً اور تحریراً وتقریراً دعوت وتبلیغ کا فریضہ بطریق احسن ادا کیا۔ فجزاهم الله تعالیٰ احسن الجزاء۔

مولانا افتخار حسین فریدی لکھتے ہیں:

امت محمدیہ ﷺ کو اپنے فرض منصبی پر چلانے کیلئے اس دوسرے ہزارے ہجری میں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کو حق تعالیٰ نے ملک ہند میں پیدا فرمایا۔ حضرت کے بعد یہ کام حضرت کے صاحبزادگان خصوصاً خواجہ معصوم اور ان کی اولاد نے خوب چلایا۔ ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور صاحبزادگان شاہ عبد العزیز، شاہ عبد القادر اور پھر حضرت شاہ محمد اسحٰق، مولانا محمد اسماعیل شہید، حضرت سید احمد شہید نے عالم اسلام کی رہنمائی فرمائی۔ چودھویں صدی میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت علامہ قاسم نانوتوی،

حضرت رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا محمد انور شاہ کشمیری، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولانا عبیداللہ سندھی، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری، شاہ عبدالقادر رائے پوری جیسے اکابر اس ملت کی آبیاری کیلئے پیدا کیے گئے۔

اب اس دور میں مدارس، مساجد، خانقاہوں کے ذریعے دین کے جو کام ہورہے ہیں ان ہی کی تقویت، تازگی اور فروغ کیلئے اور اس دہریت کے طوفان کو جو تمام عالم میں امنڈ رہا ہے مٹانے کیلئے حق تعالیٰ شانہ نے اسی سلسلہ عالی سے مجدد تبلیغ شاہ محمد الیاس صاحب، شیخ التبلیغ حضرت محمد یوسف صاحب کو پیدا فرما کر ان کے ذریعے چہار دانگ عالم میں بغیر کسی ظاہری اسباب کے پوری امت کو محض اپنے فضل وکرم سے متوجہ فرمایا۔ دنیا کے ہر خطے کے مسلمان تبلیغ ودعوت کے اس کام سے روشناس ہورہے ہیں۔ {ارشادات ومکتوبات مولانا شاہ محمد الیاس دہلوی ص ۲۱}

تبلیغی جماعت کے کارناموں کی داستان بڑی ایمان افروز ہے۔ کس طرح اس کی تشکیل ہوئی؟ کن حالات میں اس نے دین وملت کی خدمات انجام دیں؟ کیسے عظیم الشان نتائج برآمد ہوئے؟ اور اس تحریک نے عالم اسلام پر کیا اثرات مرتب کئے؟ اس کی تفصیل ایک مستقل کتاب کی متقاضی ہے۔

مولانا محمد الیاسؒ نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد دعوت وتبلیغ کے اس مقدس کام کا آغاز اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی مشاورت سے بستی حضرت نظام الدین اولیاء دہلی کی ''بنگلہ والی'' ایک بوسیدہ سی مسجد سے بے سروسامانی کے عالم میں کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے چند ہی برسوں میں یہ کام ایک عظیم الشان عالمی تحریک کی صورت اختیار کرگیا۔ آج دیگر اسلامی ممالک کے علاوہ صرف برصغیر پاک وہند میں اس تبلیغی تحریک سے وابستہ افراد کی تعداد بلا مبالغہ لاکھوں سے متجاوز ہے اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس وقت اس جیسی تحریک کی مثال پوری دنیا میں کہیں نہیں ملتی جو بانی تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور دیگر اکابر بزرگان دین

قارئین کرام! تصویر کا یہ رخ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ آج دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ معیشت کا نظام کس کا ہے؟ عدالت میں قانون کون سا چل رہا ہے؟ نظام سیاست کون سا ہے؟ معاشرے میں کس برق رفتاری سے فحاشی، عریانی اور منکرات پھیل رہے ہیں؟ مسلمان اور اسلام پر کیا بیت رہی ہے؟ امریکہ مفلوک الحال مسلمان ملکوں (افغانستان، عراق، شام، فلسطین وغیرہ) پر اپنے تمام تر دنیاوی وسائل کے ساتھ بربریت کا مظاہرہ کر رہا ہے، مساجد پر بمباری ہو رہی ہے، معصوم بچے جارحیت کا شکار ہو رہے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلم خواتین کی عصمت دری ہو رہی ہے۔ مگر صد آفرین جماعت کے اکابرین اور احباب ایسے پر آشوب اور پرفتن حالات میں شب و روز کے اس "ادعا اور اعلان" "یہ سارے کا سارا دین ہماری زندگی میں کیسے آجائے اس کیلئے بھائیو ایک زبردست محنت کی ضرورت ہے اس محنت کے بارے میں......" کے باوجود نہ صرف یہ کہ امت مسلمہ کو ان شعبوں میں کوئی رہنمائی فراہم نہیں کرتے بلکہ مسلمانوں کو اس 'بھنور' میں چھوڑ کر کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔

اس کے برعکس پوری دنیا میں مسلمان تو مسلمان خود دیگر مذاہب کے لوگ بھی اس بربریت کے خلاف سراپا احتجاج ہیں لیکن تبلیغی مرکز میں پندرہ یا بیس لاکھ "عبادت گذاروں" کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی آخر کیوں؟ کشمیر، چیچنیا، بوسنیا، کوسوو، افغانستان، عراق، فلسطین اور لبنان کے مسلمان کیوں بھول جاتے ہیں؟ امریکہ اور اس کے حواریوں کو للکارنا تو دور کی بات ہے ان کے اقدام کو دہشت گردی کہنے اور اس کی مذمت کرنے میں کونسا امر مانع ہے؟ حالانکہ خود امریکہ، برطانیہ اور یورپ میں لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم بڑے بڑے مظاہرے کر کے کھلم کھلا اس کی مذمت کر چکے ہیں مگر یہاں صالحین وعابدین کے لاکھوں کے اجتماع میں مظلومین کے حق میں دعائیہ کلمات تک کہنے کی جسارت نہیں کی جاسکتی۔ ظاہر ہے کہ اگر صالح لوگوں کی یہ جماعت ہی مسلمانوں کی بھلائی اور اسلام کی سربلندی کے کاز سے لاتعلق ہو تو پھر عام مسلمانوں کا اللہ ہی حافظ ہے۔ اگر اصلاح کی طرف توجہ نہ دی گئی تو اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ کہیں یہ مرکز بھی "ویٹی کن" سٹیٹ کی طرز پر کسی "اسلامی سٹیٹ" میں نہ تبدیل ہو جائے۔

لیکن غنیمت ہے کہ سارے مسلمان ابھی اس رنگ میں نہیں رنگے گئے۔ ابھی پاکستان، افغانستان، عراق، کشمیر، چیچنیا اور فلسطین میں کچھ حیات باقی ہے جہاں سے نہ صرف اسلام کا پرچم بلند ہو رہا ہے بلکہ یہ مسلمان دعوت وتبلیغ کے ساتھ ساتھ امریکہ اور عالمی اتحاد کی بربریت کے خلاف استقامت اور ثابت قدمی سے ڈٹے ہوئے ہیں۔ اگرچہ "چھ نمبروں" کو کل دین قرار دینے والے اور باقی اجزاء دین کو نظرانداز کرنے والے لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں مگر ان پر وہ سینکڑوں یقیناً بھاری ہیں جو ۳۱۳ کی سنت پوری کرتے ہوئے اعلاء کلمۃ اللہ، احیائے اسلام اور حصول شہادت کیلئے رواں دواں ہیں۔ جب تک یہ سربکف موجود ہیں اسلام کو کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا۔ عالمی اتحاد جتنی سازشیں چاہے کرلے اور جتنا زور مرضی ہے لگالے۔ روزنامہ اسلام کے مدیر زیر عنوان "دعوت وتبلیغ، اسلام کی محنت اور اس کے تقاضے" رقم طراز ہیں:

"تبلیغی جماعت کے دعوتی طریق کار اور عام تبلیغی احباب میں رواج پانے والے بعض افکار ونظریات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تبلیغی جماعت اپنے مشن اور مقصد پر کامیابی کے ساتھ گامزن ہے البتہ اس کے ساتھ ساتھ اس امر کا ادراک بھی ضروری ہے کہ باطل قوتوں نے جس تیز رفتاری کے ساتھ مسلمان معاشرے سے اسلامی شعائر کو مٹانے کیلئے سرگرمیاں شروع کی ہوئی ہیں اور اس مقصد کیلئے جن ذرائع ووسائل کا استعمال کیا جارہا ہے ان کے مقابلے میں اسلام کے دفاع اور مسلمانوں کی دینی، معاشرتی اقدار کے تحفظ کیلئے اب ہر سطح اور ہر محاذ پر کام کرنے کی ضرورت ہے اور اسلام کی دعوت کو کسی خاص اسلوب تک محدود کرنے کی بجائے اس مقصد کیلئے دعوت دین کے تمام شعبوں کے مؤثر استعمال کی بھی کوششیں ہونی چاہئیں۔ دین کی دعوت وتبلیغ کے کام کو مزید تیز کرنے اور آگے بڑھانے کیلئے دعوت وارشاد، تعلیم وتدریس، تحقیق وتدقیق اور نشر وابلاغ کے تمام میدانوں میں ہمہ جہت کوششیں کرنا اور بالخصوص نوجوان نسل کو جدید دنیا کی خرافات سے بچا کر دین کی ابدی تعلیمات سے روشناس کرانے کی جدوجہد کرنا ہر صاحب دل مسلمان اور تبلیغ اسلام کے مشن سے وابستہ ہر فرد کی بنیادی اور اہم ذمہ داری ہے۔" {روزنامہ اسلام ۹۔ دسمبر ۲۰۰۳ء}

ہفت روزہ ضرب مومن کے مدیر زیر عنوان ''رائے ونڈ کا تبلیغی اجتماع۔ اسلام کی دعوت وتبلیغ کے تقاضے'' لکھتے ہیں:

''تاہم بایں ہمہ دنیا کی تمام دینی واسلامی تحریکوں بشمول دعوت وتبلیغ سے وابستہ حضرات کو اس حقیقت کا ادراک بھی لازمی طور پر کرنا ہوگا کہ اسلام اور مسلمانوں کو اس وقت ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہت فکری، نظریاتی وعملی یلغار کا سامنا ہے اور اس یلغار کا مقابلہ کرنے کیلئے مسلمانوں کو جہاں روایتی محاذوں پر اسلام کے دفاع اور اس کی ترویج واشاعت کے کام کو آگے بڑھانا ہے وہاں معاصر دنیا میں انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات کے تناظر میں اسلام کی دعوت کو پہلے سے زیادہ مؤثر، منظّم اور مربوط طریقے سے آگے بڑھانے اور زندگی کے ہر ہر شعبے میں اسلامی تعلیمات کو زندہ کرنے کیلئے بھی ہمہ جہت اور ہمہ گیر انداز میں کام کرنا ہوگا۔

سیاسیات سے لے کر اقتصادیات تک اور سماجیات سے لے کر ابلاغیات اور سائنس وٹیکنالوجی کی ایجادات تک ہر شعبے کو آج اسلام اور مسلمانوں کا سیاسی، اقتصادی، سماجی اور معاشرتی استحصال کرنے کیلئے استعمال کیا جارہا ہے اور باطل کی دعوت ان تمام راستوں کے ذریعے ہمارے ملکوں، شہروں، گلیوں اور گھروں کے اندر پہنچ رہی ہے حالانکہ ان تمام شعبوں میں اسلام کی دعوت وتبلیغ اور اس کی عالم گیر حقانیت کو پھیلانے کے ان گنت مواقع اور راستے بھی موجود ہیں جن سے بدقسمتی سے امت مسلمہ کی غالب اکثریت غافل نظر آتی ہے۔ {ہفت روزہ ضرب مومن ۱۲۔۱۸ شوال ۱۴۲۵ھ/ ۲۶ نومبر تا ۲ دسمبر ۲۰۰۴ء}

شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

لیکن اب جماعت کے ایک سرکردہ اور بڑے مقتدر بزرگ جن کا میں بہت احترام کرتا ہوں ان کا ایک خط پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس خط کے اندر تحریر کا سارا رخ اس طرف ہے کہ گویا اس وقت جہاد کی طرف توجہ کرنا یا جہاد کی بات کرنا، جہاد کے بارے میں سوچنا یا جہاد کے بارے میں کوئی اقدام کرنا کسی طرح بھی درست نہیں بلکہ جہاد تو اصل میں دعوت کیلئے ہے اگر دعوت کی آزادی ہو تو اس صورت میں یہ کہ جہاد کی کوئی ضرورت نہیں

ہلاکت خیز ہے۔ ساتھ میں یہ بھی لکھا کہ ابھی یہ بات لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے لیکن رفتہ رفتہ علماء کی سمجھ میں بھی آ جائے گی۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ جو باتیں تبلیغی جماعت کے حضرات کی طرف منسوب کر کے نقل کی گئی ہیں وہ اتنی بے بنیاد نہیں ہیں بلکہ یہ فکر رفتہ رفتہ پیدا ہو رہی ہے یہ بات ایسی نہیں ہے کہ اس پر خاموش رہا جائے چنانچہ اس سلسلے میں پھر ہم نے جماعت کے ان حضرات سے زبانی گذارش بھی کی جن سے رابطے ہیں اور بڑوں تک یہ بات پہنچانے کا اہتمام کیا کہ یہ بات جو پیدا ہو رہی ہے یہ بڑی خطرناک ہے......

لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ کسی بھی جماعت کا پھیل جانا اور اس کے پیغام کا دور دور تک پہنچ جانا اگر صحیح طریقے سے ہو تو یہ قابل خیر مقدم ہے اور اس صورت میں اس جماعت کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے لیکن اگر اس جماعت میں خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں یا اس کے اندر غلط فکر پیدا ہو رہی ہے تو پھر تعاون کے ساتھ ساتھ اس کی غلطی پر اس کو متنبہ کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ ایسا نہ ہو کہ یہ بہترین جماعت جس سے اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا کام لیا کہیں غلط راستے پر نہ پڑ جائے بالخصوص ایسے وقت میں متنبہ کرنا اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے جبکہ اس کی قیادت پختہ اہل علم کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اس جماعت میں زیادہ عنصر عوام کا ہے جو پورا علم نہیں رکھتے اور اس جماعت کے اندر جو علماء شامل ہیں ان علماء کا مشغلہ علم نہیں ہے۔

لیکن اب واقعۃً صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ قیادت زیادہ تر ایسے حضرات کے ہاتھ میں ہے جو علم میں رسوخ نہیں رکھتے۔ اس کی وجہ سے بعض اوقات کچھ بے اعتدالیاں سامنے آتی رہتی ہیں۔ ان بے اعتدالیوں کے نتیجے میں جماعت کی مخالفت ہرگز جائز نہیں اس لئے کہ بحیثیت مجموعی الحمدللہ جماعت نے بہت بہترین کام کیا ہے اور اب بھی اچھا کام کر رہی ہے لہٰذا اس جماعت کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے اور جتنا ہو سکے اہل علم کو اس جماعت کے اندر شامل ہونا چاہئے اور اس کے ساتھ تعاون کا سلسلہ برقرار رکھنا چاہئے۔

لیکن ساتھ ساتھ اہل علم کے داخل ہونا کا یہ فائدہ ہونا چاہئے کہ جو بے اعتدالیاں پیدا ہو رہی ہیں ان کا سد باب ہو۔ لہٰذا جو اہل علم جائیں وہ یہ فکر اور سوچ لے کر جائیں کہ ہم

کے اخلاص اور امت کیلئے ان کے سوز دروں کا نتیجہ ہے۔اس تبلیغی تحریک نے موجودہ دور میں عالمی سطح پر اسلام کی تبلیغ وترویج اور مسلمانوں کی اصلاح وتربیت میں بہت ہی نمایاں اور قابل قدر کام کیا ہے۔اس تحریک کی بدولت بے شمار افراد کے کلمے درست ہوئے، نمازیں صحیح ہوئیں اور دین سے تعلق پیدا ہوا جس سے انکار محض ہٹ دھرمی کہلائے گا۔

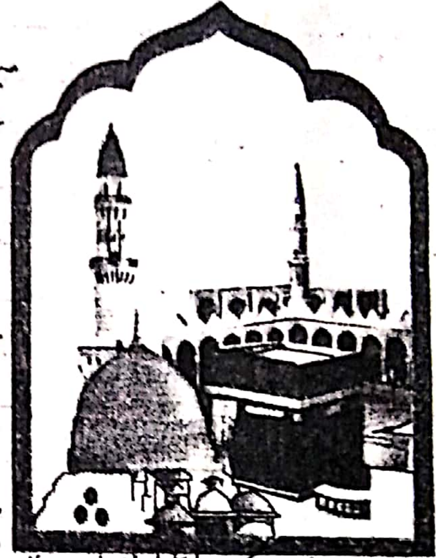
والد صاحبؒ نے بھی درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور تحریر وتقریر کے ساتھ ساتھ اس تبلیغی تحریک کا بھرپور ساتھ دیا اور ۱۹۵۳ء میں پہلی مرتبہ مرکزی جامع مسجد حویلیاں میں تبلیغی جماعت کو یہاں کام کی دعوت دی جس کے نتیجے میں عوامی سطح پر رفض وبدعت سے آلودہ اور پراگندہ ماحول کی بناء پر سخت مخالفت اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور والد صاحبؒ کی شبانہ روز مساعی جمیلہ سے رفتہ رفتہ جماعت کی مقبولیت بڑھتی رہی اور الحمدللہ آج پورے علاقہ میں بلا روک ٹوک تبلیغی کام جاری وساری ہے۔

والد صاحبؒ نے ۱۹۷۹ء میں حویلیاں میں ایک تبلیغی اجتماع منعقد کرایا جس میں رائے ونڈ سے تبلیغی اکابرین مولانا محمد اسلم صاحب سمیت شریک ہوئے اجتماع سے فارغ ہونے کے بعد مولانا محمد اسلم صاحب (جو والد صاحبؒ کے دوست اور ہم درس تھے) اور دیگر بزرگ ہمارے گھر تشریف لائے اور ''دعوت شیراز'' میں بھی شرکت فرمائی۔

والد صاحبؒ نے نہ صرف حویلیاں میں جماعت کی بنیاد رکھی بلکہ وہ تادم آخر ہمیشہ اس کی سرپرستی اور اس کے دفاع وتحفظ کے علاوہ اپنے خطبات میں عوام کو جماعت کے ساتھ وقت لگانے کی ترغیب بھی دیتے رہے۔الحمدللہ راقم الحروف نے بھی موصوفؒ کے ایماء وحکم پر متعدد سہ روزے لگائے اور ایبٹ آباد، حویلیاں، ہری پور، میرا بشام، باڑہ پشاور، اسلام آباد، رائے ونڈ اور میرپور آزاد کشمیر کے اجتماعات میں شرکت کی۔موصوفؒ نے اولاد کے نام اپنے آخری ''وصیت نامے'' میں بھی یہ بات تحریر کی کہ مولانا محمد الیاسؒ کی تحریک کا تحفظ کرنا اور اس کے ساتھ وابستہ رہنا اور مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کی مصنفات سے استفادہ کرنا.....وصیت نامے کا عکس ملاحظہ فرمائیں

باسمہٖ سبحانہ، بعد الحمد والصلوٰۃ اما بعد

وصیت نامہ



میرے بچو! خدا تمہارا ناصر و مددگار ہو "نعم المولیٰ ونعم النصیر"
نماز کی پابندی اور تقوے والی زندگی اختیار کرنا،
درپیش معاملات میں باہمی مشاورت اور اتفاق کرنا،
بان تو ماں ہے، میری وجہ سے زیادہ کیا حق ممکن حد تک
رعایت برتنا، بالخصوص زمین کے قرضہ میں اس کی مدد کرنا،
میرے مہمان کا خیال رکھنا اور میرے لئے التحیات میں دعاء
ابراہیمی "ربنا اغفر لی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب"
پڑھنا۔
میری قبر پر شاہ اسماعیل شہیدؒ کی قبر کی طرح کتبہ لگانا تاکہ
آنے والوں کے لئے نشان رہے، اور اس پر یہ شعر کندہ کرانا

بندہ آمد بر درت بگریختہ

آبروئے خود بعصیاں ریختہ

فقیر حسن بیر عفا اللہ عنہ بقلمہ

غسل میری بیوی دے، جنازہ طاہر پڑھائے

نوٹ

مولنا محمد الیاسؒ کی تحریک کا
تحفظ کرنا اور اس کے ساتھ
وابستہ رہنا،
مولنا محمد منظور نعمانی اور مولنا ابوالحسن
علی ندوی کے تصنیفات سے
استفادہ کرنا۔

نوٹ

میں خطابت اور دیگر مذہبی امور کے لئے اپنے بیٹے محمد طاہر علی الہاشمی کو اپنا جانشین مقرر
کرتا ہوں۔ فقیر حسن بیر عفا اللہ عنہ بقلمہ

یہ وصیت نامہ تو ۱۹۹۰ء میں تحریر کیا گیا جبکہ راقم الحروف کی اپنی رسمی طالب علمی کے زمانے سے ہی مولانا محمد الیاس صاحب کی بپا کردہ اس اصلاحی اور تبلیغی تحریک کے ساتھ کامل اور گہری وابستگی رہی ہے اور دشمنان تحریک کی یورشوں اور سازشوں سے اس کا دفاع وتحفظ اب بھی مشن کا حصہ ہے اور یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس مشن کے ساتھ وابستہ رکھے اور استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الہ العالمین!

مگر راقم الحروف یہاں اس بات کا اظہار کرنا بھی اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا ہے کہ جس طرح اس تبلیغی تحریک کا دفاع اور تحفظ ضروری ہے اسی طرح جماعت کی بعض بے اعتدالیوں کی اصلاح بھی بہت ہی ضروری ہے۔ یہ بات باعث مسرت واطمینان ہے کہ اکابر علماء اپنے اس مذہبی فریضے سے غافل نہیں رہے اور وہ وقتاً فوقتاً ان بے اعتدالیوں کی نشاندہی کرتے رہے۔ مگر صد افسوس کہ اوپر سے نیچے تک ہر سطح پر کچھ بابوؤں، تاجروں اور علم سے تہی دامن حضرات کے جماعت پر غالب اور اثر انداز ہونے کی وجہ سے علماء حق کی یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہو رہی ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اب اس تبلیغی تحریک اور اس کے مطبوعہ لٹریچر میں علمی و عملی اسقام کے علاوہ تبلیغی اکابرین کے بیانات (مطبوعہ وریکارڈ شدہ) سے "تبلیغی بھائیوں" میں واضح طور پر ذہنی وفکری تبدیلی کے آثار ظاہر ہونا بھی شروع ہو گئے ہیں اور دوسری جماعتوں اور فرقوں کی طرح اب اس میں بھی حق کے مقابلے میں جماعتی عصبیت پیدا ہو گئی ہے۔ تحریک کے بعض حلقوں میں "اکرام مسلم" کی جگہ "اہانت علماء" اور "خدمت" کی جگہ "اذیت" نے لے لی ہے۔

جمعہ کے دن عین خطبہ جمعہ شروع ہونے سے پہلے بعض جماعتیں دوسری مسجد میں تشکیل ہو جانے کی وجہ سے مسجد سے نکل جاتی ہیں جو سراسر ناجائز ہے۔ اسی طرح تبلیغی مراکز میں "شب جمعہ" کی حاضری لازمی سمجھی جانے لگی ہے اور تبلیغی احباب "واجب" کے درجے میں اس کی پابندی کرتے ہیں حالانکہ "شب جمعہ" کی مجالس کا انعقاد شیعہ اسماعیلیہ دروزیہ کا شعار ہے۔ ملاحظہ ہو (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۶ تحت دروزیہ)

نبی اکرم ﷺ نے بھی واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ تم "شب جمعہ" کو عبادت کیلئے مخصوص نہ کرو۔ {صحیح مسلم}

اس کی تشریح میں مولانا منظور نعمانی لکھتے ہیں:

''جمعہ کے دن اور اس کی رات کی خاص فضیلت کی وجہ سے چونکہ اس کا امکان زیادہ تھا کہ فضیلت پسند لوگ اس دن نفلی روزہ رکھنے کا اور اس کی رات میں شب بیداری اور عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرنے لگیں اور جس چیز کو اللہ ورسول ﷺ نے فرض وواجب نہیں بتایا اس کے ساتھ فرض وواجب کا سا معاملہ ہونے لگے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ ممانعت فرمائی۔'' {معارف الحدیث ج ۴ ص ۱۷۷}

اگر اس ممانعت سے ''انتظامی ممانعت'' بھی مراد لیں تو بھی تبلیغی احباب کے ہاں یہ فرض وواجب کا درجہ اختیار کرنے کی وجہ سے ''بے اعتدالی'' میں شمار ہوگی۔

تحریک کے بعض ذمہ دار حضرات اور عصر حاضر کے مقبول ترین مبلغین کے بیانات سے جو تأثر قائم ہوتا ہے اس سے دین کے دیگر شعبوں اور پہلوؤں کی کم وقعتی اور بعض اوقات کسی ''شام غریباں'' کی مجلس کا احساس ہونے لگتا ہے اور اکثر تبلیغی حضرات تبلیغ کے اس مخصوص طریق کار کو ہی حاصل دین اور چھ نمبروں کو کل دین قرار دینے میں ہی اپنا سارا زور بیان صرف کر دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں تبلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات نے اب جہاد کی ''شرعی حیثیت'' پر بھی رائے زنی شروع کر دی ہے۔ عورتوں کا تبلیغی جماعتوں کے ساتھ نکلنا اور اس راستے میں ہر جانی ومالی عمل پر ''انچاس کروڑ'' کے ثواب کا مرتب ہونا بے اعتدالی ہی نہیں بلکہ دھاندلی بھی ہے۔

مزید برآں ملک میں الحاد وبے دینی اور بدعت ورفض کا سیلاب امڈ آیا ہو، قرآن کی بے حرمتی ہو یا اس میں تحریف ہو، حدیث وفقہ میں تغیر ہو، سبائیت وقادیانیت کی طرف سے ناموس رسالت اور عقیدہ ختم نبوت پر حملہ ہو، صحابہ واہل بیت پر تبرا ہو، اسلام اور مسلمانوں پر کفر کی طرف سے معاشی، سیاسی، تعلیمی، تہذیبی وصلیبی یورش ویلغار ہو، نام نہاد روشن خیال مسلم حکمرانوں اور دانشوروں کی جانب سے اسلامی احکام کے ساتھ استہزاء ہو، امت قدرتی آفات سیلاب وزلزلہ اور دیگر مصائب ومشکلات سے دوچار ہو مگر تبلیغی احباب اپنی محدود دعوت اور دائرے سے نکلنے کیلئے کسی صورت آمادہ ہی نہیں ہیں۔

کی تحقیر وتوہین ایک خاص طریقہ سے لوگوں کے دلوں میں بٹھاتے رہتے ہیں حالانکہ یہ طریق قرآن کریم کی تعلیمات کے صریح خلاف ہے۔ اما من استغنیٰ فانت له تصدیٰ O

اگر انصاف سے دیکھا جائے تو فی الجملہ تبلیغ اسلام کا ایک ضروری رکن ہے اور فرض کفایہ ہے لیکن غلو اور افراط تو کسی طرح روا نہیں۔ اگر ماں باپ یا بیوی بچوں کی پرورش اور حفاظت کا کوئی معقول انتظام نہ ہو تو ایسی حالت میں تبلیغ کو ترک کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ متعلقین کی خدمت اس حالت میں فرض عین ہوتی ہے اس کو چھوڑ کر فرض کفایہ میں لگ جانا قطعاً روا نہیں۔ بہت سے تبلیغ والے ایسی بے تدبیری کی باتیں کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی مر جائے تو تب بھی یہ کام ہوتے رہتے ہیں حالانکہ موت وحیات کے احکام مختلف ہیں ان کو خلط ملط کرنا درست نہیں بدوضعی اور بے تدبیری کی بات ہے۔

بہر حال تبلیغی جماعت کے اندر اچھے اچھے خدا پرست انسان بھی موجود ہیں۔ خود بانیان جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ اور شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کا اخلاص وللّٰہیت اور حدود وشرع کی پابندی شک وشبہ سے بالا ہے۔ لیکن جماعت کی عمومی فضا رجعت پسندوں، سرمایہ داروں، کم علموں اور علم دشمنوں سے بھری ہوئی ہے جو اسلام کی انقلابی ذہنیت اور قرآن کے انقلابی پروگرام سے بالکل عاری ہے۔ ستر سال سے تبلیغی جماعتیں چل رہی ہیں کہیں کسی ملک یا علاقہ پر توجہ مرتکز کر کے کوئی تبلیغی سٹیٹ ہی بنا ڈالتے تو وہ نمونہ کا کام دیتی (حضرت موصوف سے معذرت کے ساتھ کہ شکر ہے کہ انہوں نے کوئی "تبلیغی سٹیٹ" نہیں بنائی کیونکہ وہ "اسلامی سٹیٹ" کی بجائے "ویٹی کن سٹیٹ" کا نمونہ ہوتی) اور ان کو کام کرنے کا سلیقہ بھی آتا۔ اس جماعت پر اکثر وبیشتر سرمایہ دار حضرات کا تسلط رہتا ہے جو معاملات میں بالکل ناقص اور بدتر ثابت ہوتے ہیں۔ منافع خور سمگلر ذہنیت رکھتے ہیں اور بعض اوقات حلال وحرام کا امتیاز بھی نہیں کرتے۔ غریب پروری اور مسکین نوازی سے عاری ہوتے ہیں اور اکثر غالی فاسد الاعتقاد معاند اہل بدعت کے پیچھے نماز پڑھتے رہتے ہیں جبکہ مولانا محمد الیاسؒ کے پیر ومرشد حضرت گنگوہیؒ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی واجب الاعادہ کا فتویٰ دیتے ہیں اور نیز بہت سے

"تبلیغ والے تمام زندگی سنت و بدعت میں امتیاز نہیں کر سکتے۔ بدعت کی باطل رسومات ادا کرتے رہتے ہیں اوراسی پر خاتمہ ہوجاتا ہے۔العیاذ باللہ!

لیکن بایں ہمہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جماعت میں جانے سے اور سفر کرنے سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ جب بھی جماعت میں جائے تو دوسروں کی اصلاح سے زیادہ اپنی اصلاح کا خیال مقدم رکھے۔اس لیے ہم اس جماعت کی فی الجملہ تائید وتصویب کرتے ہیں اورعوام کواس کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور اس کی طرف سے دفاع بھی کرتے رہتے ہیں لیکن ان میں بہت سے لوگوں کی رجعت پسندی، غلواور افراط کو دیکھ کر بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت و سمجھ عطا فرمائے۔" {مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے علوم وافکار ص ۱۹۹۔۲۰۲ تاریخ طباعت اکتوبر ۱۹۹۰ء}

مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی اور مولانا محمد اعظم طارق صاحب کی دینی وتبلیغی خدمات اور دفاع صحابہؓ اور تحفظ ختم نبوت کی تحریکوں میں بھرپور کردار سے دینی جماعتوں کے کارکن بخوبی آگاہ ہیں۔ یہ حضرات جب ۲۱ نومبر ۱۹۹۵ء کو گرفتار ہوئے (یاد رہے کہ فاروقی صاحب اسی گرفتاری کے دوران ہی عدالت میں پیشی کے وقت ۱۸ جنوری ۱۹۹۷ء کو ایک دھماکے میں شہید ہو گئے تھے جبکہ اعظم طارق صاحب شدید زخمی ہوئے تھے) تو علماء واکابرین نے انہیں جیل میں خطوط لکھے۔مولانا طارق جمیل صاحب نے بھی ان کے نام ایک خط لکھا جس کا متن حسب ذیل ہے:

مولانا المقام جناب ضیاء الرحمٰن فاروقی صاحب: محترم جناب اعظم طارق ایم این اے صاحب ذمہ داران سپاہ صحابہؓ پاکستان:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔اللہ تعالیٰ آپ کو رہائی نصیب فرمائے۔آمین! مجھے بھائی محمد اشفاق ڈوگر صاحب ذمہ دار ایس ایس پی تلمبہ والے ملے تھے کہ آپ بیمار حضرات کیلئے کچھ کریں۔ میں آپ کو سنت کے مطابق ایک نسخہ ارسال کر رہا ہوں۔ آپ فجر اور مغرب کے بعد ایک ایک سو مرتبہ "لاالہ الاانت سبحانك انی کنت من الظالمین" پڑھ لیا کریں۔اللہ تعالیٰ غیبی مدد فرمائیں گے۔کچھ وقت اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکالیں۔

آپ کا طارق جمیل تلمبہ۔　{ماہنامہ خلافت راشدہ۔ جنوری۔ فروری ۱۹۹۶ء ص ۴۲، ۴۳}

اس سے واضح ہوتا ہے کہ تبلیغی جماعت کے احباب اپنے مخصوص طریقے کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے دین کی تبلیغ یا اس کے دفاع کو "اللہ کا راستہ" ہی نہیں سمجھتے۔ جو شخص اعلاء کلمۃ اللہ اور ناموس رسول ﷺ اور اصحاب واہل بیت رسول ﷺ کے تحفظ کیلئے دن رات محنت کرتا رہے اور اسی کی پاداش میں اسے پابند سلاسل کر دیا جائے حتیٰ کہ وہ اسی راستے میں اپنی جان بھی جان آفرین کے سپرد کر دے۔ رائے ونڈ کے یہ بزرگ ایسے شخص سے یہ مطالبہ کریں کہ رہائی کے بعد اللہ کے راستہ میں بھی ایک چلہ لگالیں۔ فیا للعجب!

فقیہ العصر مفتی اعظم پاکستان مفتی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں:

تبلیغ کیلئے جہاد اتنا اہم اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر تبلیغ مکمل ہو ہی نہیں سکتی جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف زبانی تبلیغ کافی ہے اور مسلح جہاد کے بغیر تبلیغ ممکن ہے وہ تبلیغ کا مطلب سمجھنے میں تین غلطیاں کر رہے ہیں:

۱...... چند عبادات کی تبلیغ کر کے سمجھتے ہیں کہ تبلیغ کا حق ادا ہو گیا۔ حالانکہ ہر ذی شعور شخص سمجھ سکتا ہے کہ پوری تبلیغ تو جب ہی ہو گی کہ پورے اسلام کی تبلیغ ہو۔ صرف نماز یا مزید دو تین احکام کی تبلیغ کو تو پورے دین کی تبلیغ نہیں کہہ سکتے۔

۲...... صرف زبانی تبلیغ کو کافی سمجھتے ہیں کہ یہ جاری رہے تو معاشرے کی مکمل اصلاح ہو جائے گی اور تمام کفار مسلمانوں کی اس معاشرت کو سیکھ کر اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ نہ شرعی سزائیں جاری کرنے کی ضرورت اور نہ کفار سے مسلح جہاد کرنے کی ضرورت۔

۳۔ ان کا خیال ہے کہ صرف معروفات کا حکم دیتے جاؤ منکرات کو نہ چھیڑو۔ منکرات خود بخود مٹتے چلے جائیں گے۔

یہ نظریہ سراسر باطل اور دنیا میں فسق و فجور، منکرات وفواحش کے پھیلنے کا بہت بڑا سبب ہے۔ عقل و نقل دونوں اس کے بطلان کے شاہد ہیں قرآن وحدیث میں جہاں بھی "امر بالمعروف" کا حکم دیا گیا ساتھ ہی "نہی عن المنکر" کا بھی حکم دیا گیا۔ اگر نہی عن المنکر کی کوئی ضرورت واہمیت نہیں امر بالمعروف ہی کافی ہے تو پھر کیا نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ اور اس

کے رسول ﷺ نے جو حکم دیا وہ لغو ہے۔ یا نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو یہ حکمت وفلسفہ سمجھ میں نہیں آیا کہ معروفات کی دعوت سے تمام منکرات خود بخود مٹ جائیں گے۔ نیز یہ لازم آئے گا کہ پوری امت کے علماء جو آج تک بوقت استطاعت نہی عن المنکر کی تینوں صورتوں بالید، باللسان اور بالقلب کو فرض وواجب قرار دیتے آئے ہیں سب نعوذ باللہ! احکام شریعت ومزاج شریعت سے نابلد تھے۔ عقل ومشاہدہ سے بھی اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ انسان طبعی طور پر خواہش نفس اور گناہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ معروفات کی جتنی بھی دعوت دی جائے جب تک نہی عن المنکر پر عمل نہ کیا جائے معاشرے سے فواحش ومنکرات کا مٹنا ناممکن ہے۔

اب اس سے بڑھ کر خطرناک خبریں سامنے آرہی ہیں کہ لوگوں کو دین دار بنانے کیلئے اور ان کو مانوس کر کے قریب لانے کیلئے ان کے ساتھ بدعات اور گناہوں کی مجلسوں میں شریک ہونے کو جائز بلکہ ضروری سمجھا جارہا ہے۔ یہ سراسر دین میں تحریف ہے۔ بجائے اس کے کہ بے دین لوگوں کو جنت والے اعمال میں اپنے ساتھ شریک کرتے یہ جہنم والے اعمال میں شریک ہو کر اپنے لئے جہنم کا سامان کررہے ہیں۔ پھر ظلم یہ کہ اس کو جائز بلکہ کار ثواب اور مزاج نبوت اور دین کی تبلیغ سمجھ رہے ہیں۔ اگر واقعۃً ایسا ہے جیسا کہ شنید ہے تو ان کا ایمان بھی باقی نہیں رہا۔ {مسلح جہاد کے بغیر تکمیل تبلیغ ممکن نہیں ص ۴۔۶}

قارئین کرام تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود نیز انچاس کروڑ کا ثواب کے تفصیلی مطالعہ کیلئے حضرت مفتی رشید احمد صاحب کی مایہ ناز کتاب احسن الفتاویٰ جلد ۹ ص ۹۵ تا ۱۸۵ کی طرف رجوع کریں۔ مولانا محمد مسعود اظہر امیر جیش محمد ﷺ زیر عنوان تبلیغی جماعت کیلئے بعض خطرات رقم طراز ہیں:

مگر اب دیکھنے میں آرہا ہے کہ تبلیغی جماعت کے بعض افراد اپنی بڑھتی ہوئی قوت یا پھیلتے ہوئے کام سے متاثر ہو کر اس اصول (مسلمانوں میں سے کسی کی مخالفت نہ کی جائے بلکہ اگر کوئی مخالفت کرے تو اسے بھی جواب نہ دیا جائے) کو چھوڑتے چلے جارہے ہیں۔ بیانات میں اب عاجزی کی بجائے جارحانہ انداز آتا جارہا ہے۔ جہاد اور مجاہدین کی

ایک مقصد سے جارہے ہیں وہ مقصد یہ ہے کہ دعوت وتبلیغ کے ساتھ ساتھ حتی الامکان اس مبارک جماعت کو غلط راستے پر پڑنے سے روکیں۔ یہ نہ ہو کہ اہل علم خود بھی جماعت کے بہاؤ میں بہہ جائیں۔

مثلاً ایک اہم بے اعتدالی یہ ہے کہ پہلے یہ ہوتا تھا کہ فتویٰ کے معاملے میں تبلیغی جماعت کے حضرات اوران سے منسلک عوام اہل افتاء کی طرف رجوع کرتے تھے لیکن اب وہاں فتویٰ دینے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے اور مسائل میں عام فقہاء امت سے اختلاف کا ایک رجحان پیدا ہونے لگا ہے اور بعض حضرات تفریق کی باتیں کرنے لگے ہیں مثلاً یہ بات چل پڑی ہے کہ اب تبلیغ کرنے والے کو اس مفتی سے فتویٰ پوچھنا چاہئے جو تبلیغ میں لگا ہوا ہو دوسرے علماء سے پوچھنا ٹھیک نہیں۔

اور بعض اوقات امراء جماعت ایسے فیصلے کر لیتے ہیں جو شریعت کے مطابق نہیں ہوتے مثلاً یہ بات کہ تبلیغ ودعوت فرض عین ہے یا فرض کفایہ۔ اس بارے میں باقاعدہ ایک مؤقف اختیار کر لیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ تبلیغ ودعوت نہ صرف یہ کہ فرض عین ہے بلکہ اس خاص طریقے سے کرنا فرض عین ہے جو شخص اس خاص طریقے سے نہ کرے وہ فرض عین کا تارک ہے۔ یہ بھی بہت بے اعتدالی کی بات ہے۔ اسی طرح جہاد کے بارے میں بھی بے اعتدالیاں سننے میں آتی رہتی ہیں..........

اور الحمدللہ اب بھی ان بے اعتدالیوں کے باوجود بحیثیت مجموعی اس جماعت پر خیر غالب ہے اور بحیثیت مجموعی اس جماعت سے بہت فائدہ پہنچ رہا ہے اور اس جماعت میں شرکت کرنی چاہئے اور اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے لیکن ان بے اعتدالیوں کی طرف بھی نگاہ رکھنی چاہئے اب ہوتا یہ ہے کہ جب کبھی کوئی شخص ان بے اعتدالیوں پر ذرا سی تنقید کرتا ہے تو اس کے خلاف یہ پروپیگنڈہ شروع ہو جاتا ہے کہ یہ شخص جماعت کا مخالف ہے یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ لیکن خیر غالب ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ جماعت معصوم ہے اور اس میں کوئی غلطی نہیں ہے یا کوئی بے اعتدالی نہیں ہے۔ {تقریر ترمذی جلد دوم ص ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۳_۲۱۵، ۲۱۶}

موصوف کا یہ مضمون بعنوان "تبلیغی جماعت سے متعلق۔ خیر خواہی کی باتیں"

ماہنامہ ''ندائے شاہی'' اکتوبر ۲۰۰۱ء کے شمارے میں بھی شائع ہوا۔ یہ رسالہ مدرسہ شاہی مراد آباد انڈیا سے شائع ہوتا ہے جس کے بانی مولانا سید رشید الدین حمیدی داماد شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی تھے۔ مولانا موصوف ۲۰۰۱ء میں مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئے تھے اور انہیں جنت البقیع میں تدفین نصیب ہوئی۔

مفتی تقی عثمانی صاحب کا یہی مضمون قاضی مظہر حسین صاحب امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان کے رسالے ماہنامہ ''حق چار یار'' فروری ۲۰۰۲ء کے شمارے میں بھی مندرجہ ذیل تعارفی وتمہیدی کلمات کے ساتھ شائع ہوا:

تبلیغی جماعت اس وقت دنیا کی سب سے ہمہ گیر، سب سے زیادہ منظم اور دینی دعوت کے سلسلہ میں سب سے سرگرم جماعت ہے اس کی ہر ہر نقل وحرکت میں اس کے بانیوں کا خلوص صاف جھلکتا نظر آتا ہے لیکن جب بھی کوئی تحریک ہمہ گیر ہوتی ہے تو اس کے بارے میں لوگوں کی آراء بھی مختلف ہونے لگتی ہیں۔ کوئی مخالفت پر اتر آتا ہے تو اسے اسفل السافلین میں اتار کر دم لیتا ہے اور کوئی حمایت میں اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ حقیقی توجہ طلب امور سے بھی غفلت بلکہ غلط تاویل تک کی نوبت آجاتی ہے تبلیغی جماعت کے سلسلہ میں بھی یہی صورت حال درپیش ہے۔

کچھ لوگ تو ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں گویا کہ انہوں نے اس کی مخالفت ہی کو اپنا مشغلہ بنالیا ہے اور کچھ لوگ اس سے تعلق میں اتنے پرجوش ہیں کہ اس کے خلاف واقعیت پر مبنی کوئی بات بھی سننے کے روادار نہیں۔ یہ دونوں فکر راہ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں۔ میانہ روی اور امت سے خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ حکمت عملی کے ساتھ اس عالم گیر تحریک کو صحیح سمت میں رواں دواں رکھنے کیلئے کوششیں کی جائیں اور جو امور واقعۃً اصلاح طلب ہیں ان کی اصلاح کرنے میں کوئی دریغ نہ کیا جائے۔

زیر نظر مضمون عالم اسلام کے مقبول ترین، معتدل الفکر، محقق عالم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی کی ''تقریر ترمذی'' سے ماخوذ ہے جس میں آپ نے تبلیغی جماعت کی عالمی عظیم خدمات کی دل کی گہرائیوں سے اعتراف

کرتے ہوئے جماعت کے بعض حلقوں میں پھیلنے والی کچھ قابل اصلاح باتوں کی طرف بہت خوبصورتی سے توجہ دلائی ہے امید ہے کہ اس کے مطالعہ سے سلامت روی اور فکری اعتدال پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔ اللہ تعالیٰ امت کو سلامت واعتدال کے راستے پر قائم رکھے اور ہر مرحلے میں غلو پسندی سے محفوظ رکھے۔ آمین!

پاکستان کی ممتاز علمی، دینی وروحانی شخصیت مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی (مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ) تبلیغی جماعت کی بے اعتدالیوں اور غلو پسندی پر بغرض اصلاح نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تبلیغی جماعت والے جو بڑا ادعا کرتے ہیں کہ ان کا کام سب سے فائق اور پیغمبروں کا اصلی کام ہے۔ دعوت وتبلیغ اسلام کا ایک رکن اور اصول ہے۔ تمام انبیاء کرامؑ اور تمام مخلصین پیروکاران انبیاءؑ یہ کام کرتے رہے ہیں۔

لیکن تمام دین کا انحصار صرف تبلیغ میں ماننا اور باقی شعبوں کا بالکل نظر انداز کر دینا اور یہ سمجھنا کہ یہ باقی تو دین کے کام ہی نہیں۔ دین کا کام تو بس یہی ہے جو ہم کرتے ہیں۔ چھ نکات کی تبلیغ، گشت کا عمل، چلہ، چار ماہ، سہ روزہ، جمعرات کا اجتماع، شش ماہی جوڑ، سالانہ ایک بڑا اعظیم اجتماع، جماعتوں کی ملک بہ ملک، شہر بہ شہر، قریہ بہ قریہ روانگی۔ بس دین یہی ہے۔

اس کے علاوہ تعلیم وتدریس، مساجد کی امامت وخطابت، تصنیف وتالیف، مدارس دینیہ اور تعلیم گاہوں کا قیام واجراء، سیاست ملیہ میں حصہ لینا یا اس کیلئے تنظیم کرنا یا باطل فرقوں کا مقابلہ کرنا، تقریر وتحریر سے ان کا جواب دینا یا بالفعل دشمنان دین کے ساتھ جنگ کرنا۔ یہ تمام امور ان کے نزدیک ان کے نصاب سے خارج ہیں۔

گزشتہ برسوں میں کابل وافغانستان میں تقریباً بیس لاکھ مسلمان موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں (واضح رہے کہ یہ مضمون ۱۹۹۰ء میں لکھا گیا اس کے بعد تو قتل وغارت میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے اور خود امارت اسلامیہ کو بھی انتہائی سفاکی کے ساتھ ختم کر دیا گیا۔ از راقم) ان کی حمایت میں عام گناہ گار مسلمان اور دینی مدارس کے طلبہ ہزاروں کی تعداد میں

شریک ہو کر روس اور روس نواز حکومت کے مقابلہ میں جان کی بازی لگا گئے لیکن تبلیغی جماعت والوں کو اس علاقہ کے قریب ایک اجتماع کرنے کی توفیق بھی نصیب نہ ہوئی تاکہ ان مظلوم مسلمانوں کی تائید وتقویت ہی ہوتی یا ان کے لئے کوئی مالی امداد فراہم کی جاتی۔

عام حالات میں اس جماعت کا شیوہ یہ ہے۔ اس کے بہت سے افراد دینی مدارس کی مذمت کرتے ہیں بلکہ بعض یہاں تک بھی کہہ دیتے ہیں کہ ان دینی مدارس کو چندہ دینا حرام ہے جب تک کوئی اس جماعت میں حصہ نہ لے اور مخفی طور پر علماء کی مذمت وتوہین کرتے ہیں۔ قرآن کریم کے درس کے بارہ میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ قرآن کریم کا درس سن کر کوئی آدمی نیک وصالح نہیں ہوسکتا اور نہ اس کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ اصلاح تو گشت کرنے سے اور جماعت کے ساتھ جانے سے ہوتی ہے۔

ایک بڑی مسجد اور دینی ادارہ کے بارے میں ایک بہت بڑے معیاری قسم کی مثالی تبلیغی جماعت کے رکن نے ایک دفعہ یہ کہا کہ یہاں سب کام ہو رہے ہیں لیکن دین کا کام نہیں ہو رہا۔ احقر نے عرض کیا کہ آپ نے صرف تبلیغ کا نام ہی سنا ہے اس کے علاوہ آپ کو کسی چیز کا علم نہیں ورنہ ایسی بات نہ کہتے۔ کم وبیش پچیس ہزار آدمیوں کو اس ماحول میں دینی تعلیم سے آراستہ کیا گیا ہے اور کم وبیش ایک لاکھ انسانوں کی دینی اصلاح ہوئی ہے، ان کے عقائد درست ہوئے ہیں اور وہ کفر وشرک اور بدعات کو چھوڑ کر امور خیر کی طرف راغب ہوئے ہیں کیا یہ دین کا کام نہیں ہے؟

بڑے بڑے مالدار اور جاگیر دار اور سرمایہ دار لوگ جماعت میں شریک ہو کر اپنا تفوق جتلاتے رہتے ہیں جس کے پردہ میں ان کی بری کارگزاری اور مظالم پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ دینی مدارس کے فارغین علماء کرام کو بھاڑے کے ٹٹو خیال کرتے ہیں۔ بڑے بڑے آدمیوں کو ساتھ لے جا کر ان کا تعارف طلباء، علماء اور کمزور دین دار طبقہ کے لوگوں کے سامنے اس طرح کراتے ہیں کہ یہ صاحب کارخانے دار ہیں، یہ بڑے صنعت کار ہیں، یہ بڑے ڈاکٹر ہیں، یہ فوجی کرنل ہیں، یہ انجینئر ہیں۔ فلاں اور فلاں ہیں۔ یہ کسی مسجد کے امام نہیں یا کوئی مولوی نہیں، یہ کوئی مسجد کے مؤذن یا خادم نہیں وغیرہ۔ اس طرح یہ غریب علماء

کھل کر مخالفت کی جاتی ہے۔ جن مساجد میں جماعت کو قوت حاصل ہے وہاں علماء کرام کے درس بند کرادیئے جاتے ہیں اور بعض اوقات تو مدارس اور خانقاہوں پر بھی زبان چلائی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ حیرت ناک بھی ہے اور افسوس ناک بھی۔ معلوم نہیں کہ کس ظالم نے اس مبارک کام میں سب وشتم اور تبرابازی کی رسم مذموم شروع کی ہے یقیناً یہ ایک بڑی غلطی ہے بلکہ خودکشی کی طرف پہلا قدم ہے……

تبلیغ کا شروع سے یہ اصول رہا ہے کہ ہم فضائل بتاتے ہیں مسائل علماء کرام سے پوچھیئے۔ مگر جب سے تبلیغ والوں نے جارحانہ انداز اختیار کیا ہے اور دین کے بعض شعبوں کی مخالفت شروع کر دی ہے اس وقت سے وہ دلائل میں بھی الجھ گئے ہیں۔ ان میں سے دلائل سے بات کرنے والوں کی مثال بالکل ایسی ہے جس طرح کوئی ماہر شاعر اکھاڑے میں اتر کر کشتی کرنے لگ جائے سب جانتے ہیں کہ زندگی بھر شعر وادب میں مصروف رہنے والے اس شاعر کیلئے یہ تباہی کا پیغام ہوگا اور اکھاڑے میں موجود پہلوان اس کا کچومر نکال دیں گے اور کچھ خیر خواہ اس شاعر سے پوچھیں گے کہ آخر آپ کو اس اکھاڑے میں اترنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی؟ یہی بات آج تبلیغی جماعت کے خیر خواہ دردمندی کے ساتھ پوچھ رہے ہیں کہ آخر آپ لوگوں کو دلائل میں پڑنے کی ضرورت کیا پیش آئی؟ کیا آپ لوگ حضرت مولانا الیاسؒ اور حضرت مولانا یوسفؒ سے بڑھ کر تبلیغ کے کام کو سمجھتے ہیں؟ کیا فضائل کے بیان سے لوگ دین پر نہیں آرہے تھے؟ کیا جہاد کی مخالفت کیئے بغیر یہ کام آگے نہیں بڑھ رہا تھا؟ یقیناً یہی جواب ملے گا کہ مخالفت کہ بغیر ہی تو کام اس مقام پر پہنچا ہے۔ تو جب مخالفت کے بغیر کام تیزی سے بڑھ رہا تھا تو اچانک علمیت دکھانے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟

بڑے علماء کو تو چھوڑیئے عام تاجر آج کھڑے ہو کر مکی زندگی اور مدنی زندگی کے باریک فرق، حسن لعینہ اور حسن لغیرہ کی فقہی اصطلاحات، جہاد اکبر اور جہاد اصغر کی بحث، دفاعی اور اقدامی کے فرق پر بے لاگ اور فضول تبصرے کرتے ہیں اور سمجھنے والوں کو اپنے اوپر ہنسی کا موقع دیتے ہیں۔ والی اللہ المشتکیٰ………

لیکن اب شاید تبلیغی جماعت والے عام خطیبوں سے متاثر ہو کر نئی نئی تقریریں ہی

کرنے کے شوق میں اپنا سوز کھوتے جارہے ہیں یا ان سے اپنے بڑے بڑے مجمعے دیکھے نہیں جارہے بلکہ انہیں اپنی قوت اور کثرت پر ناز ہونے لگا ہے اس لئے ان کے انداز میں جارحیت آ گئی ہے۔ اللہ کی قسم یہ سب کچھ نہ تو دین کے مفاد میں ہے نہ امت مسلمہ کے مفاد میں ہے اور نہ تبلیغی جماعت کے مفاد میں ہے بلکہ حقیقت میں یہ ایک خوفناک شیطانی سازش ہے جو اس عظیم کام کو امت سے چھیننے کیلئے رچی گئی ہے اور اگر اس پر قابو نہ پایا گیا تو یہ سازش کامیاب ہو جائے گی۔ حضور اکرم ﷺ کی مبارک جماعت میں جب منافق گھس سکتے ہیں تو کوئی جماعت اپنے آپ کو کس طرح محفوظ سمجھ سکتی ہے لیکن یہ تو کیا جاسکتا ہے کہ ایسے اصول سختی سے مقرر کیئے جائیں جن پر افراد کا اثر نہ پڑ سکے تبھی منافقین کی ریشہ دوانیوں سے بچا جاسکتا ہے۔ کیا یہ بات عقل میں آنے والی ہے کہ تبلیغی جماعت کا کام اسرائیل تک پہنچ جائے اور امریکہ کی بنیادوں تک اس کی رسائی ہو جائے اور اسلام دشمن طاقتیں خاموش بیٹھی رہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ اسلام دشمن طاقتیں تبلیغی جماعت کو بھی اپنے لئے ایک بڑا خطرہ سمجھتی ہیں کیونکہ تبلیغی جماعت کے خاموش انقلاب نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے اس لئے کچھ بعید نہیں کہ انہوں نے اپنے ایجنٹ اس میں گھسانے کی کوشش کی ہو اور یہ بات سمجھ میں بھی آرہی ہے کہ آخر یہ اچانک اتنی بڑی تبدیلی کیسے آ گئی؟

آج یہ ماحول ہے کہ کوئی صحیح العقیدہ عالم دین اس مسجد میں قرآن مجید کا درس نہیں دے سکتا جس کی کمیٹی میں تبلیغی جماعت کے افراد کی اکثریت ہو بلکہ مشاہدے اور تجربے سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی عالم دین اپنی مسجد میں اپنے طور پر دین کا کام کر رہا ہو اور وہ مقبول ہو گیا ہو اور لوگ اس کی بات سن رہے ہوں تو اس عالم کو بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ انفرادی کام کر رہا ہے اور لوگوں کو اجتماعی کام سے روکنے کا ذریعہ بن رہا ہے۔ خود راقم الحروف کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ تو مخلص تبلیغی احباب نے گانا سننے سے لے کر حد درجہ گھناؤنے الزامات لگا دیئے۔ چنانچہ مجھے مجبوراً منبر پر قرآن کے حلف کے ساتھ ان الزامات سے اپنی برأت کا اعلان کرنا پڑا۔ بعض افراد جو ان الزامات میں شریک تھے جب کچھ نادم ہوئے تو دوسرے تبلیغی احباب نے انہیں تسلی دی کہ ہم نے یہ

جھوٹ اجتماعی کام کے فائدے کیلئے بولا تھا۔

اللہ گواہ ہے کہ میں اس واقعہ کو کبھی بھی نہ لکھتا اگر یہ واقعہ صرف میرے ساتھ پیش آیا ہوتا لیکن یہ واقعہ ایسے ایسے اکابر اور فرشتہ صفت بزرگوں کے ساتھ بھی پیش آیا جن کا نام میں الزامات کے حوالے سے لکھنا ان کی توہین سمجھتا ہوں اس لئے میں نے خود کو بطور مثال کے پیش کیا تاکہ میرے اکابر کا نام جھوٹے الزامات کے ساتھ بھی نہ لکھا جائے۔ آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟ کیا مولانا الیاس صاحبؒ کی تبلیغی جماعت یہ سب کچھ کرسکتی ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ بعض ایسے افراد اونچی سطح تک پہنچ چکے ہیں جو اس کام کی جڑیں کاٹنا چاہتے ہیں۔ ان سابقہ بیوروکریٹوں اور تاجروں کا اثر بعض بڑے خطباء پر بھی ہے چنانچہ اب رائے ونڈ سے ایسے بیانات ہورہے ہیں جو عام تنظیموں کی مذکورہ بالا روش پر حوصلہ افزائی کررہے ہیں۔ کاش جماعت کے اکابر حضرات اس مسئلہ کی طرف فوراً توجہ فرمائیں۔

کاش ان اکابر تک میری یہ دردمندانہ گذارش کوئی من وعن پہنچادے کیونکہ ابھی اس فتنے کو قابو میں کرلینا آسان ہے۔ صرف نظام الدین اور رائے ونڈ سے اتنا اعلان ہی اس فتنے کا گلا دبا سکتا ہے کہ کوئی بھائی علماء کرام کی مخالفت نہ کرے، کوئی بھی جہاد کے خلاف اپنے بیان میں کسی طرح کی بات نہ کہے، مدارس اور خانقاہوں کو سب قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور دین کو اصل سمجھیں کسی مخصوص جماعت کو نہیں......

ہم نے اوپر جو کچھ عرض کیا ہے وہ محض خیرخواہی پر مبنی ہے تبلیغی جماعت سے ہمارا تعلق خالص قلبی اور دینی ہے اور حقیقت میں ہمیں اس جماعت سے بے حد لگاؤ ہے۔ تبلیغی جماعت دین کی خوب خدمت کررہی ہے اور جو باتیں ہم نے تبلیغی جماعت کیلئے خطرات کے عنوان سے عرض کی ہیں ان کا مقصد اس مبارک جماعت کو فتنوں اور داخلی انتشار سے بچانے کیلئے اپنی سی ایک کوشش کرنا ہے۔

اس مضمون کے تمام قارئین سے دوٹوک عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ہماری ان باتوں کو تبلیغی جماعت کی مخالفت برائے مخالفت کیلئے ہرگز استعمال نہ کریں اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ عنداللہ خود ہی ذمہ دار ہوگا۔ اسی طرح اہل علم حضرات سے خصوصی گذارش ہے کہ وہ اس مبارک

جماعت کو مذکورہ بالا بعض غلطیوں سے پاک کرنے کیلئے مثبت اور تعمیری کوشش جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ انشاء اللہ تبلیغی جماعت کے اکابران سطحی غلطیوں کو مستقل دردِ سر بننے سے پہلے ہی درست فرمالیں گے۔ (آزادی کمل یا دھوری ص ۷۱۔۷۷ مطبوعہ حرکت الانصار کراچی فروری ۱۹۹۸ء)

مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب تلمیذ حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں:

منجملہ دینی شعبوں کے تبلیغ ودعوت بھی دین کا ایک اہم شعبہ ہے مگر علم دین کی کمی اور حدود تبلیغ سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ شعبہ بھی افراط وتفریط سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ چنانچہ بعض لوگوں نے دعوت وتبلیغ میں اس قدر افراط سے کام لیا کہ اس کو ہر حال میں ہر شخص کے لیے فرض قرار دے دیا اور بعض نے اس کی فرضیت واہمیت سے ایسا صرف نظر کیا کہ اپنے تابع فرمان اور زیر نگران افراد کی اصلاح کی طرف سے بھی بالکل بے اعتنائی اور بے توجہی کرلی۔ غرضیکہ افراط وتفریط دونوں قسم کی کوتاہیاں دعوت وتبلیغ کے کام میں پائی جارہی ہیں۔

اگرچہ تفریط یعنی حد سے کمی کردینے کی کوتاہی زیادہ عام ہورہی ہے جس کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور عام وخاص نصیحت میں بہت ہی کمی ہوتی جارہی ہے جس کا تدارک نہایت ہی ضروری ہے۔

مگر اس کے ساتھ ہی افراط حد سے بڑھ جانے اور غلو کا بھی بہت سے مقامات میں مشاہدہ ہورہا ہے اور یہ صورت تو بکثرت سامنے آتی رہتی ہے کہ جن لوگوں کو ایک خاص طرز کے ساتھ دینی کاموں میں کسی قدر حصہ لینے کی توفیق حاصل ہوجاتی ہے یا تبلیغ میں چلہ وغیرہ دینے کا موقع میسر آجاتا ہے جن میں سے بعض لوگ اپنی اس معمولی دینی جدوجہد اور محدود سعی ومحنت کو اتنا اہم اور ہر شخص کیلئے اس کو اس قدر ضروری سمجھنے لگتے ہیں کہ دین کے دوسرے تمام شعبوں، درس وتدریس، تصنیف وتالیف وغیرہ کی قدر واہمیت ان کے دل میں یا تو بالکل باقی ہی نہیں رہتی یا اس قدر کم ہوجاتی ہے کہ دوسرے تمام دینی شعبوں میں کام کرنے کی حیثیت وضرورت ثانوی درجہ میں رہ جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی افراط وغلو ہی کی ایک قابل اصلاح صورت ہے۔

حد یہ ہے کہ جن اکابر علماء کرام اور مشائخ عظام نے دین کے مختلف ومتعدد

شعبوں میں بڑی بڑی اور گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور انہوں نے اپنی تمام عمریں ہی دینی خدمات میں صرف فرمادی ہیں اور وہ حضرات شب و روز اشاعت دین اور خواص و عوام کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت کے فریضہ کی انجام دہی میں مصروف ہیں ایسے حضرات پر بھی اسی طرز مخصوص اور نظام خاص کو لازم قرار دیا جاتا ہے اور اس طرز خاص پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے ان حضرات کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تارک تصور کیا جاتا ہے اور دلوں سے گذر کر زبانوں پر یہ اعتراض آجاتا ہے کہ دین مٹ رہا ہے اور یہ حضرات تبلیغ نہیں کرتے ۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے لوگ تبلیغ ودعوت کی حقیقت اور اس کی حدود سے ناواقف ہیں اس وجہ سے وہ ایک نظام خاص ہی کو تبلیغ دین کے فریضہ کی ادائیگی کیلئے ضروری سمجھتے ہیں اور جو شخص اس نظام خاص پر کاربند نہ ہو اس کو یہ لوگ فرض تبلیغ کا تارک سمجھتے ہیں حالانکہ کسی غیر واجب نظام عمل اور طریق کار کو اتنی اہمیت دے دینا کہ اس کو مقصود سمجھ لیا جائے یا کسی مامور بہ کے انجام پانے کی مختلف اور متعدد جائز صورتوں میں سے کسی ایک خاص صورت کو سب کیلئے لازم سمجھ لینا حدود سے تجاوز کی وجہ سے اس کو افراط کا مصداق بنا دیتا ہے ۔جس کی قباحت واضح اور اس کا غلو ہونا ظاہر ہے.........

اس کے علاوہ کسی دوسرے جائز طریقہ پر دینی خدمت سے انقباض اور گرانی کا ہونا افراط اور غلو ہونے کے ساتھ عدم اخلاص کی بھی نشانی ہے ۔جیسا کہ مشائخ عظام نے فرمایا ہے کہ:

اخلاص کی نشانی یہ ہے کہ اگر اسی کام کو دوسرے جائز طریقہ پر کرنے لگے تو خوشی ہو کہ ہمارا ہاتھ بٹایا اور گرانی و ناگواری ہو کہ یہ دوسرے طریقہ پر کام کیوں شروع ہو گیا تو یہ عدم اخلاص کی نشانی ہے۔

ایسے لوگوں کی اصلاح کیلئے حضرت مولانا ابرار الحق صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ملفوظ ذیل ہر وقت پیش نظر رکھنے اور زیادہ سے زیادہ توجہ کے قابل ہے۔ ارشاد فرمایا کہ:

دین کے ہر خادم کو چاہئے کہ دین کے دوسرے خادموں کو اپنا رفیق سمجھے فریق نہ

سمجھے اس طرح ہر دینی ادارہ کے بارے میں ہر جماعت کے خدام دین کو دوسری جماعت کے خدام دین کے بارہ میں بدگمانی اور حسد اور غیبت و اعتراض کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور فریق سمجھنے سے سب فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

{دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت ص ۱۰-۱۱۔ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور فروری ۱۹۸۱ء}

مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلوی جو حضرت مولانا محمد الیاس ؒ کی تبلیغی تحریک کے ''مقدمۃ الجیش'' میں شامل تھے اور انہوں نے بانی تحریک کے حکم وایماء پر چند تبلیغی رسائل بھی لکھے جنہیں ''تبلیغ کیا ہے؟'' کے نام سے تبلیغی مراکز سے شائع کیا جاتا رہا۔ بالخصوص ''تبلیغ کیا ہے؟'' میں شامل ایک رسالہ ''مسلمانوں کی پستی کا واحد علاج'' تبلیغی نصاب کا بھی باقاعدہ حصہ ہے۔ یہ رسالہ مولانا محمد الیاس ؒ کی زندگی میں ۱۳۵۸ھ /۱۹۳۹ء میں لکھا گیا جس میں تبلیغی جماعت کے طرز تبلیغ اور اس کی ضرورت اہمیت کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے بعد مئی ۱۹۶۷ء میں مولانا محمد احتشام الحسن کاندھلوی ؒ نے ایک رسالہ بندگی کی صراط مستقیم تحریر کیا جو ماہنامہ میثاق لاہور اپریل ۱۹۹۰ء کے شمارے میں بھی شائع ہوا۔ موصوف اس رسالہ کے آخر میں ''نہایت ضروری انتباہ'' کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

میری عادت ہے کہ میں جو تحریر لکھتا ہوں چھپوانے سے پہلے وہ متعدد علماء کرام کو دکھالیتا ہوں تاکہ اگر کوئی غلطی ہو تو اس کو صحیح کر لیا جائے۔ غلط بات نہ پھیلے۔ اس تحریر کو لکھنے کے بعد میں نے حضرت مولانا محمد میاں صاحب کے پاس بھیجا کہ اس کی صحت فرما کر اخبار الجمعیۃ میں شائع کر دیا جائے۔ اخبار الجمعیۃ کی اشاعت کے بعد مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی ؒ مفتی دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے پاس بھیجا کہ اگر کوئی غلطی ہو تو اس سے مطلع کر دیا جائے جب مفتی صاحب موصوف نے اس کی تصدیق فرما دی تو پھر حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم کے پاس اس کو بھیجا کہ اگر آپ اس سے متفق ہوں تو اس کو ماہنامہ ''دارالعلوم'' میں شائع فرما دیں تاکہ اس سلسلہ میں علماء دیوبند کا مسلک واضح ہو جائے۔ ماہنامہ دارالعلوم میں اشاعت کے بعد جب ہر طرح اس کی اشاعت پر اطمینان ہو گیا تو عام ضرورت کے پیش نظر اس کو رسالہ کی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ بالکل

وہی مضامین اور مقاصد ہیں جو میں نے اب سے چالیس بیالیس سال قبل سیدی ومرشدی حضرت اقدس مولانا شاہ محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کے ارشاد سے احیاء العلوم امام غزالی اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی تصانیف سے اخذ کر کے متعدد رسالوں (مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج، اصلاح انقلاب، اصلاح معاشرت، اسلامی زندگی، پیام عمل، مکافات عمل) میں شائع کئے اور اس وقت کے اکابرین علمائے امت سے ان کی تصدیق کرائی جو برابر تبلیغ کیا ہے؟ کے نام سے شائع ہو رہے ہیں۔

اس سب کے باوجود یہ نظام الدین کی موجودہ تبلیغ کی تائید نہیں ہے اور نظام الدین کی موجودہ تبلیغ میرے علم وفہم کے مطابق نہ قرآن وحدیث کے موافق ہے اور نہ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور علماء حق کے مسلک کے مطابق ہے۔ جو علمائے کرام اس تبلیغ میں شریک ہیں ان کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اس کام کو پہلے قرآن وحدیث، ائمہ سلف اور علماء حق کے مسلک کے مطابق کریں۔

چونکہ ایک غلط چیز دین کے نام سے پھیل رہی ہے اور تبلیغ کے نام پر غلط فہمی پھیل رہی ہے یہی میرے نزدیک تمام آفات بلایا کے نزول کا اصل باعث ہے اسی ضرورت نے مجھے اس رسالہ کی اشاعت پر مجبور کر دیا تا کہ علماء کرام اس کی طرف توجہ فرماویں اور ان خرابیوں کا انسداد فرماویں جن کی وجہ سے ملت تباہی اور بربادی میں مبتلاء ہو رہی ہے۔ یہی اصل مقصود ہے وما علینا الا البلاغ ۝ میری عقل وفہم سے یہ چیز بہت بالا ہے کہ جو کام حضرت محمد الیاسؒ کی حیات میں اصولوں کی انتہائی پابندی کے باوجود صرف بدعت حسنہ کی حیثیت رکھتا تھا اس کو اب انتہائی بے اصولی کے بعد دین کا اہم کام کس طرح قرار دیا جا رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کو فیوض الحرمین میں بدعت حسنہ ہی کی حیثیت سے اختیار فرمایا ہے اور اسی سے میں نے اس کام کو اخذ کیا اور اب تو منکرات کی شمولیت کے بعد اس کو بدعت حسنہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

میرا مقصد صرف اپنی دینی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا ہے اور اس غلط فہمی کو دور

کرنا ہے جو میرے رسائل کی وجہ سے پھیل رہی ہے۔ خیر اندیش۔ محمد احتشام الحسن۔
دارالاشاعت کاندھلہ ضلع مظفر نگر یوپی، ۲صفر المظفر ۱۳۸۷ھ/۱۳ مئی ۱۹۶۷ء۔

{تبلیغی جماعت کے ذمہ دار افراد سے دردمندانہ گذارش مؤلفہ سید تنظیم حسین یکم محرم الحرام ۱۴۰۹ھ۔ ناظم آباد کراچی}

واضح رہے کہ سید تنظیم حسین صاحب مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے معتمد ہیں تبلیغی جماعت کے سرپرست، مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں:

دین کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے اس کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں۔ ایک تو وہ حصہ ہے جو اپنی خاص ہیئت وشکل کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے اور اس کی ہیئت وشکل مطلوب ہے اس کو ہم منصوص بالوضع کہہ سکتے ہیں...... دین کا دوسرا حصہ وہ ہے کہ اس میں نفس شئ مطلوب ہے لیکن بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر آپ ﷺ نے ان کی شکلیں متعین نہیں کیں۔ صرف شئ بتلاء دی کہ یہ مقصود ہے۔ لیکن ان کی کوئی خاص وضع مخصوص نہیں مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، دعوت الی اللہ، علم ودین کے سلسلہ کو چلانا اور احکام شرعیہ کا امت تک پہنچانا یہ سب امت سے مطلوب ہے۔ ان کی کوئی خاص شکل اور طریقہ متعین نہیں کیا گیا بلکہ اس بارے میں امت کی عقل پر اعتماد کیا گیا ہے۔

اس وقت عام طور پر دین کے ان دونوں حصوں کو خلط ملط کیا جاتا ہے۔ منصوص کو غیر منصوص کا درجہ دیا جاتا ہے اور غیر منصوص کو منصوص کے مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں اور مختلف اداروں اور تحریکوں میں اکثر تنازعہ کی شکل پیدا ہو گئی۔ اگر ہم ان چیزوں میں فرق سمجھ لیں تو بہت سے مشکلات حل ہو جائیں گی۔

ہماری اس دینی تحریک ''دعوت اصلاح وتبلیغ'' کا ایک خاص طرز ہے اس میں تبلیغی گشت ہے، اجتماعات ہیں، ذکر اللہ پر، اکرام مسلم پر اور ترک لایعنی پر زور ہے اور دین کیلئے گھر سے نکلنے اور وقت اور عادات ومالوفات کی قربانی کی ترغیب ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان میں بعض چیزیں وہ ہیں جن کی ہمیں شریعت نے سختی کے ساتھ تاکید کی ہے مثلاً اکرام مسلم، ذکر اللہ کی کثرت، ترک مالایعنی وغیرہ۔ لیکن بعض چیزیں مثلاً گشت، اجتماعات وغیرہ ہیں جو انتظامی امور ہیں۔ یہ قرآن وحدیث سے استنباط کیے جاسکتے ہیں جو اصولی طور سے صحابہ

کرامؓ کی زندگی میں ملیں گے لیکن خاص ہیئت میں ہی ملیں گے۔ یہ سب چیزیں اجتماعی اور تجربی ہیں۔ ان چیزوں پر یا ان خاص شکلوں پر ہر جگہ اور ہر شخص سے منصوص چیزوں کی طرح اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔

اگر ہماری تحریک کی ہم عصر دینی تحریکیں یا ادارے منصوص چیزوں کو مقصد بنائے ہوئے اور اپنی مخلصانہ صوابدید کے مطابق کسی طرز پر کام کر رہے ہیں تو ہمارا ان سے کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہمیں ان کے کام کا اعتراف کرنا چاہئے ان کو کامیابی کی دعائیں دینی چاہئیں اور ان سے تعلقات بڑھانے چاہئیں اس لئے کہ وہ دین کے بعض اہم شعبوں کو سنبھالے ہوئے ہیں اور اس طرح انہوں نے ہم کو یہ موقع دیا ہے کہ ہم ان دوسرے کاموں سے مطمئن ہو کر اپنا کام کریں۔

ہم کو تو دوسری دینی کوششیں اور ان کے ذمہ داروں کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ انہوں نے بہت سے لوگوں کو سنبھال رکھا ہے جو ہماری گرفت میں نہیں آسکتے تھے یہ اللہ کی طرف سے انتظام سمجھنا چاہئے کہ کچھ لوگ اس راستہ سے دین تک آجائیں اور کچھ اس راستہ سے آجائیں۔ اس طرح آپس کے تنازعات ختم ہو جائیں گے اور امت کے مختلف طبقات اور جماعتوں میں تعاون علی اللہ والتقویٰ کرنے کی اور خدا ترسی پر ایک دوسرے کی امدادی استعداد پیدا ہو جائے گی جو عرصہ سے مفقود ہو چکی ہے اور جس کی اس زمانہ میں سخت ضرورت ہے۔ {دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت ص ۷۳-۸۰}

تبلیغی جماعت کے احباب کو معلوم ہونا چاہئے کہ مولانا محمد الیاسؒ کی تعلیمات اپنے اساتذہ اور اکابرین کے افکار ونظریات سے ماخوذ تھیں۔ ان کی سوچ کے زاویئے اپنے اساتذہ اور مشائخ کی صحبت میں ہی درست ہوئے اور ان کے اکابرین کی جو فکر تھی وہی ان کی شعوری اساس تھی۔ موصوف دس سال کی عمر میں مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں آئے اور جب ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں حضرت گنگوہیؒ نے وفات پائی تو وہ بیس سال کے جوان تھے گویا دس سال کا عرصہ حضرت کی صحبت میں گذارا۔

اس کے بعد موصوف حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے حلقہ درس میں شریک

ہوئے اور شاگردی کے علاوہ ان کے ہاتھ پر باقاعدہ جہاد کی بیعت کی جبکہ حضرت شیخ الہند نے بیعت سلوک کیلئے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے رجوع کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اس ہدایت کے مطابق موصوف نے حضرت سہارنپوری کے ہاتھ پر باقاعدہ تصوف کی بیعت کرلی۔ مولانا محمد الیاسؒ نے ایک خط میں اپنے شیخ کو حسب ذیل القابات کے ساتھ مخاطب کیا ہے جن سے ان کے علمی وروحانی مقام کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

بعالی خدمت سیدی، سندی ، مولائی ، مرشدی ، وسیلة یومی وغدی، ملجائی ومعتمدی ، مجمع انوار الٰهیه ، منبع فیوضات قدسیه، مصدر اسرار صمدیه ، مهبط السکینة ، مورد الطمانیة ، مسکن القلوب الکثیرة، آقا ومولیٰ ادام الله ظله المدید الظلیل......

اس ادون خدام سے کوئی حق ادب کچھ ادانہ ہوا۔ ذات والا کو قدرت ایزدی نے رفعت شان ہی وہ عطا فرمائی جس کی شایان شان حق ادب بڑوں بڑوں سے دشوار مجھ جیسے ضعیف وناتواں سے بھلا کیا ادا ہوسکتا تھا۔ {سوانح مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی ج ا ص ۱۶}

مولانا خلیل احمد سہارنپوری (صاحب ہدایات الرشید، مطرقۃ الکرامۃ ، براہین قاطعہ ، المھند علی المفند ، بذل المجھود فی شرح سنن ابی داؤد) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت ہوئے اور مؤخر الذکر نے انہیں خلافت سے نوازا۔ مولانا محمد الیاسؒ کے مرشد حضرت خلیل احمد سہارنپوری ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اکابرین دیوبند کے حکم پر اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کی کتاب ''حسام الحرمین'' کا جواب بزبان عربی ''المھند علی المفند'' کے نام سے تحریر کیا جس پر مشاہیر دیوبند شیخ الہند مولانا محمود حسن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری، مولانا حافظ احمد ابن حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی، مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ، مفتی اعظم کفایت اللہ صاحب کے علاوہ حجاز ، مصر اور شام وغیرہ اسلامی ممالک کے مقتدر علماء ومشائخ نے تصدیقی دستخط ثبت فرمائے۔

بانی تبلیغی جماعت کے مرشد حضرت خلیل احمد آخر میں مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تھے آپ کی وفات ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء میں ہوئی اور جنت البقیع میں آسودہ خاک ہوئے۔

مولانا خلیل احمد صاحب حضرت نانوتویؒ کے بعد وہ شخصیت ہیں جنہیں سب سے پہلے عملی جدوجہد کے میدان میں آنا پڑا۔ موصوف کو رد بدعت اور رد روافض میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ انہوں نے رد بدعت میں براہین قاطعہ اور المھند علی المفند جبکہ ردشیعیت میں مطرقۃ الکرامۃ اور ہدایات الرشید جیسی بلند پایہ علمی کتب تصنیف کیں۔ انہیں باطل کے خلاف دینی حمیت کا یہ جذبہ اپنے شیخ حضرت گنگوہیؒ کی جانب سے بطور علمی ورثہ کے عطا ہوا تھا۔

حضرت گنگوہیؒ نے بھی زندگی بھر رفض و بدعت کا خوب مقابلہ کیا۔ موصوف نے اہل تشیع کی جانب سے کیئے گئے دس سوالات اور ایک اشتہار کا مسکت جواب ہدایۃ الشیعۃ کے نام سے دیا جو کتابی صورت میں آج بھی موجود ہے۔

علماء اہل سنت نے اس دور میں شیعہ مجتہد فرزند حسین کی ایک کتاب حضرت خلیل احمد سہارنپوریؒ کی خدمت میں پیش کی اور اس کا مسکت جواب دینے پر اصرار کیا۔ آپ نے وہ رسالہ اپنے شیخ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے بھی حضرت موصوف کو ہی جواب لکھنے کی تاکید فرمائی اس لئے حضرت خلیل احمد سہارنپوری نے اپنے شیخ کے حکم پر پورے جوش وخروش کے ساتھ اس کتاب کا جواب لکھنا شروع کیا۔ اسی دوران شیعہ مجتہد فرزند حسین ایک مناظرہ میں شکست کھا گیا تو حضرت سہارنپوریؒ نے مزید اس پر کام و قلم روک دیا اور اس کو فعل عبث سمجھا۔ اس تعطل کی اطلاع جب حضرت گنگوہیؒ کو پہنچی تو انہوں نے خلیل احمد صاحبؒ کو خط لکھا۔

جس کام کی ابتداء نیک نیتی کے ساتھ بغرض حمایت اسلام کی گئی اس کا انجام بخیر ہے اس تحریر کو پورا کر دینا ہی مناسب ہے۔

چنانچہ اس خط کے بعد موصوف نے پوری دلچسپی کے ساتھ کتاب کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ سات آٹھ ماہ میں یہ کتاب مکمل ہوئی جو پونے نوسو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ رد شیعیت میں اتنی مدلل اور مفصل کتاب کم ہی لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کے شروع میں موصوف نے حضرت گنگوہیؒ کے اس خط کا بھی ذکر کیا ہے۔

مولانا اسیر ادروی مولانا الیاسؒ کے مرشد حضرت خلیل احمد سہارنپوری کی رد

شیعیت میں جدوجہد کا ذکر بعنوان رد روافض کی لگن بالفاظ ذیل کرتے ہیں:

حضرت گنگوہیؒ کے بعد مولانا خلیل احمد صاحب کا نام لینا ازبس ضروری ہے۔ آپ کو نوجوانی ہی سے جب آپ بہاولپور میں مدرس تھے شیعوں سے سابقہ پڑ چکا تھا اس لئے رد شیعیت کا آپ کے دل میں شدید جذبہ موجزن تھا اور رد شیعیت میں صرف کتابیں لکھ کر آپ نے کام ختم نہیں کر دیا بلکہ شیعہ مناظرین کو فساد عقیدہ پھیلانے کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے اور ان کا منہ بند کرنے کی جدوجہد فرماتے۔ آپ نے امروہہ ضلع مراد آباد میں شیعوں کے مجتہد اعظم کو میدان مناظرہ میں پکڑا تو آپ نے اس وقت تک اپنی گرفت ڈھیلی نہیں کی جب تک کہ اپنی موجودگی میں امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کو متکلم بنا کر کھڑا نہیں کر دیا اور پے در پے سوالات اور شیعی مذہب کے پوسٹ کندہ عقائد کا پوسٹ مارٹم کر کے شیعوں کو اتنا رسوا نہیں کر دیا کہ وہ امروہہ چھوڑ کر راتوں رات چلے جائیں جب وہ فرار ہو گئے تب آپ امروہہ سے ہٹے۔ حالانکہ اسی دوران حضرت شیخ الہندؒ کا دہلی میں انتقال ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اسی روز امروہہ سے جنازہ اور تجہیز و تکفین میں شرکت کیلئے دیوبند جاتے ہیں اور مولانا خلیل احمد صاحب جن کے حضرت شیخ الہند سے گوناگوں تعلقات تھے اس کے باوجود محض اس لئے امروہہ سے نہیں ہٹے کہ شیعہ مناظرین کو غلط پروپیگنڈہ کا موقعہ مل جائے گا۔ اس جوش و جذبہ سے آپ نے شیعیت کا مقابلہ کیا۔ {دارالعلوم دیوبند۔ احیاء اسلام کی عظیم تحریک ص ۳۳۶}

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے متعلق مجدد العصر مولانا محمد منظور نعمانیؒ زیر عنوان ''خاص موضوع'' ارشاد فرماتے ہیں:

اگرچہ حسب ضرورت مولانا عبدالشکورؒ نے مناظرے عیسائیوں سے بھی کئے۔ آریہ سماجیوں اور قادیانیوں سے بھی اور ان کے علاوہ دوسرے فرقہ ہائے ضالہ سے بھی لیکن مولانا عبدالشکور صاحبؒ کا خاص موضوع شیعی حملوں سے صحابہ کرامؓ اور مسلک اہل سنت کی حفاظت اور ان کا دفاع اور مذہب تشیع کی ضلالتوں کو واضح کر کے حجت حق قائم کرنا تھا اور یہ وہ موضوع ہے جو ہندوستان کے خاص تاریخی حالات کی وجہ سے اس ملک کے اکابر علماء

مصلحین کی علمی اور دینی کوششوں کا صدیوں سے خاص موضوع رہا ہے۔

اب سے تقریباً ساڑھے تین سو سال پہلے گیارہویں صدی ہجری میں تاریخ اسلام کے عظیم ترین مجدد امام ربانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانیؒ اور اس کے بعد بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے معاصر بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور ان کے بعد استاذ الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کے تلامذہ اور ان کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ الغرض اپنے اپنے زمانہ میں ان سب ہی حضرات کی دینی اور اصلاحی کوششوں کا خاص موضوع اور ہدف یہی مسئلہ رہا ہے۔ جس شخص نے اس موضوع سے متعلق ان اکابر کی کتابیں دیکھی ہیں اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ نے اس سلسلے میں جو کام کیا ہے اس سے بھی وہ واقف ہے اس کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ مولانا عبدالشکورؒ نے اس موضوع کو اپنے پیش رو اکابر سے کئی گنا زیادہ نکھارا اور ایک سعادت مند پیرو کار کی طرح ان کے کام کی تکمیل کر کے ان کی روحوں کو شاد اور مطمئن کیا۔

مولانا نے ایک صحبت میں مجھ سے خود فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کے ناموس کی حفاظت اور ان کے خلاف کئے جانے والے پروپیگنڈے کی تردید بجائے خود بھی عبادت بلکہ فریضہ ہے لیکن میں جو اس کام کو درجہ اول کی اہمیت دیتا ہوں اور اس میں اس طرح مشغول ہوں خدا گواہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے مجروح ہو جانے کے بعد قرآن مجید اور نبوت محمدی ﷺ سب مشکوک ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور قرآن کے بارے میں جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ صحابہ کرامؓ کے واسطے سے جانتے ہیں۔ اگر اس سلسلے کی پہلی کڑی اور دین کے ناقلوں کی پہلی صف ہی ناقابل اعتبار ہوگئی تو قرآن اور سارا دین مشکوک ہو جائے گا اور ہمارے پاس ان کے بارے میں یقین کی کوئی علمی بنیاد نہیں رہے گی۔

بہر حال میں صحابہ کرامؓ کی یہ حمایت اور مدافعت اور ان کے دشمنوں کا یہ مقابلہ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی نیت ہی سے کرتا ہوں اور مجھے اپنی مغفرت کی سب سے زیادہ امید اپنے اسی عمل سے ہے۔ (اسی مضمون میں حضرت نعمانیؒ آگے چل کر لکھتے ہیں)

ایک عارف کامل کی شہادت

آخر میں اس دور کے ایک مسلّم عارف بلکہ یقین و معرفت کے امام حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے ایک ارشاد پر تأثرات کے اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں۔ حضرت مولانا اپنے وصال سے ٹھیک ایک سال پہلے رجب ۱۳۶۲ھ میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ لکھنؤ تشریف لائے تھے اور قریباً ایک ہفتہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں قیام فرمایا تھا۔ ایک روز دارالعلوم کی مسجد کے وضوخانہ میں وضو فرمارہے تھے۔ دارالعلوم کے دو تین اساتذہ بھی ساتھ بیٹھے وضو کررہے تھے۔ مولانا معین اللہ صاحب ندوی موجودہ ناظم شعبہ تعمیر وترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا کے بالکل سامنے بیٹھے وضو کررہے تھے۔ حضرت مولانا کی ان پر شفقت وعنایت کی خاص نظر تھی۔ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ میاں مولوی معین اللہ! حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی۔ حضرت جانتا ہوں۔ زیارت بھی کی ہے۔ فرمایا نہیں تم نہیں جانتے۔ پھر فرمایا وہ ''امام وقت'' ہیں۔

لکھنؤ کے اسی سفر میں ناچیز راقم سطور بھی حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے ہم رکاب تھا ایک صحبت میں خود مجھ سے فرمایا کہ ان مشرقی دیار میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ کا وہی مقام ہے جو ہمارے مغربی دیار میں حضرت تھانویؒ کا تھا۔ (حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا وصال چند ہی روز پہلے ہو چکا تھا)'' {تحدیث نعمت، آپ بیتی حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ ص ۳۴۴۔۳۵۲}

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی کے ساتھ اپنے ایک سفر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ دہلی تک معیت حاصل ہوئی۔ مولانا سونی پت کے کسی جلسہ میں تشریف لے جارہے تھے میں نے موقعہ غنیمت سمجھا۔ عرصہ سے تمنا تھی کہ مولانا عبدالشکور صاحب بھی نظام الدین تشریف لے چلیں اور مولانا محمد الیاسؒ سے ملاقات ہو اور اپنے زمانہ کے یہ دو عظیم المرتبت داعی جن کو اپنی اپنی دعوت میں پورا انہماک اور ان کی اہمیت و عظمت پر پورا یقین ہے ایک دوسرے سے ملیں۔ مولانا محمد الیاسؒ مولانا سے پوری طرح واقف تھے ان کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری خود مولانا کا بڑا احترام

کرتے تھے اوران کے قدر شناس تھے۔ امروہہ کے مناظرہ میں دونوں ایک جگہ جمع تھے اور ایک دوسرے کی مدد کررہے تھے۔ میں نے مولانا سے عرض کیا کہ سونی پت جاتے ہوئے آپ تھوڑی دیر کیلئے نظام الدین بھی تشریف لے چلیں اور مولانا محمد الیاس صاحب سے ملیں۔ مولانا نے میری درخواست منظور فرمالی۔ دہلی پہنچے، نظام الدین گئے۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے مولانا کا بڑا اکرام فرمایا اوران کی آمد سے بہت خوش ہوئے دونوں نے ایک دوسرے کی پوری رعایت کے ساتھ اپنے اپنے ذوق کی بات کہی جس پر جس چیز کا غلبہ ہوتا ہے اس کا ضرور اظہار ہوجاتا ہے کہ جام جب لبریز ہوتا ہے تو ہزار احتیاطوں کے باوجود چھلک پڑتا ہے پھر وہ وقت آیا کہ مولانا محمد لیاس صاحبؒ خود لکھنؤ تشریف لائے مجھے یاد ہے کہ دارالعلوم کی مسجد کے وضو خانہ میں وضو کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ ''مولانا عبدالشکور صاحب کا یہاں وہی درجہ ہے جو ہمارے اطراف میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کا۔

مولانا عبدالشکور صاحبؒ نے دارالمبلغین میں مولانا محمد الیاس صاحبؒ اوران کے رفقاء کی دعوت کی۔ مولانا بڑے شوق سے تشریف لے گئے۔ دعا کی درخواست کی گئی تو ان الفاظ سے دعا کا آغاز کیا کہ ''اولیائی تحت قبائی ولا یعرفھم سوائی''جس سے اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مولانا کا جو مقام ہے وہ سب کو معلوم نہیں۔ مولانا (لکھنوی) رحیم آباد کے عظیم تبلیغی اجتماع میں بھی جو مئی ۱۹۴۶ء میں ہوا تھا شریک ہوئے اور تقریر بھی فرمائی۔ یوں بھی تبلیغی جماعت اوراس کے ذمہ داروں کے ساتھ ان کا معاملہ تعاون اوراکرام کا تھا۔ {پرانے چراغ مع تکملہ سینے کے داغ حصہ دوم ۲۱۹۔۲۲۱}

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ بانی تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ اپنے اساتذہ اور مرشد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور قاطع رافضیت امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی کے افکار ونظریات کے ساتھ کامل طور پر متفق تھے ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے اور خود انہیں بھی اپنے اجتماعات میں تقریر کا موقع دیتے۔ کیا آج تبلیغی اکابر مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے اتباع میں دفاع صحابہؓ کے مراکز اوراجتماعات میں جاکران کے مشن کی تائید کرسکتے ہیں؟ یا ان مراکز سے وابستہ کسی مبلغ کو اپنے اجتماعات، مراکز اور

مساجد میں مثبت انداز میں مدح صحابہؓ پر بیان کرنے کا موقع دے سکتے ہیں؟

پورے کا پورا دین ہماری زندگی میں کیسے آ جائے۔ یہ مقصد تبلیغی احباب کے اس اعلان اور تبلیغی جماعت کے اس مخصوص دعوتی طریق کار سے ہرگز حاصل نہیں ہوگا بلکہ اس مقصد کے حصول کیلئے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ دین کو من حیث الدین اختیار کیا جائے، اس کی جامعیت وکاملیت پر اعتقاد رکھا جائے اور اس کے تمام گوشوں، پہلوؤں اور شعبوں کی تبلیغ وحفاظت کی جائے نیز دین کے مختلف شعبوں میں خدمات انجام دینے والے ایک دوسرے کو باہم فریق گردانتے کی بجائے رفیق سمجھیں باہم مخالفت کی بجائے ایک دوسرے کے ساتھ حسب ضرورت وموقع بھرپور تعاون کریں، کوئی بھی فریق اپنی محدود وجزوی دعوت کو کل دین قرار نہ دے اور نہ ہی اپنے وضع کردہ مخصوص جماعتی طریق کار کو منصوص ٹھہراتے ہوئے اسے پوری امت پر مسلط کرے اور اسے ہر مسلمان کیلئے فرض ولازم سمجھے۔

مولانا محمد الیاسؒ کی دعوت کو سمجھنے کیلئے مندرجہ ذیل چند اقتباسات ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں:

میری حیثیت ایک عام مومن سے اونچی نہ سمجھی جائے۔ صرف میرے کہنے پر عمل کرنا بددینی ہے۔ میں جو کچھ کہوں اس کو کتاب وسنت پر پیش کر کے اور خود غور وفکر کر کے اپنی ذمہ داری پر عمل کرو۔ میں تو بس مشورہ دیتا ہوں۔ {ملفوظات۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ ص ۱۷۱}

ہماری اس تحریک کا مقصد ہے مسلمانوں کو جمیع ما جاء بہ النبی ﷺ سکھانا (یعنی اسلام کے پورے علمی وعملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا) یہ تو ہے ہمارا اصلی مقصد۔ رہی قافلوں کی چلت پھرت اور تبلیغی گشت سو یہ اس مقصد کیلئے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ ونماز کی تلقین وتعلیم گویا پورے نصاب کی ''الف، ب، ت'' ہے۔ {حوالہ مذکور ص ۳۱}

علماء کرام سے کہنا ہے کہ ان جماعتوں کی چلت پھرت اور محنت وکوشش سے عوام میں دین کی صرف طلب اور قدر ہی پیدا کی جا سکتی ہے اور ان کو دین سیکھنے پر آمادہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ آگے دین کی تعلیم وتربیت کا کام علماء اور صلحاء (مشائخ) کی توجہ فرمائی سے ہی ہو سکتا ہے۔ {حوالہ مذکور ص ۱۴۵}

مولانا محمد الیاسؒ نے ایک دوست کو جو غالباً مسلمان اہل حرفہ واہل صنعت کی دینی اصلاح وترقی کے خواہش مند تھے۔ تحریر فرمایا:

اس بندہ ناچیز کی نظر کے اندر وہ تبلیغ جس کیلئے آپ کو بھی بلایا تھا اور خود بھی کوشاں ہے اس کا منتہا دنیا کے مسلمانوں میں صنعت وحرفت، زراعت وتجارت کو شریعت کے ماتحت اور شریعت کے مطابق کرنا۔ تبلیغ کی ابجد اور الف، ب، ت۔ عبادات سے ہے اور عبادات کے کمال کے بغیر ہرگز معاشرت اور معاملات تک اسلامی امور کی پابندی نہیں پہنچ سکتی۔ سو مخلصین کی صحیح اسکیم یہ ہونی چاہئے کہ تبلیغ کی ابجد، ا، ب، ت، یعنی عبادات کو دنیا میں پھیلانے کی اسکیم شروع کر کے اس کے منتہا پر پہنچانے کی کوشش میں لگ جائیں۔ معاملات ومعاشرت اور باہمی اخلاق کی اصلاح ودرستی کے ذریعہ سیاست نامہ تک رسائی ہوگی اس کے سوا کسی جزئیات میں پڑ جانا اپنے سرمایہ درد کو شیطان کے حوالے کر دینے کے سوا کچھ نہیں ہے

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی　　کیں راہ کہ می روی بترکستان است

{مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت مؤلفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص ۲۹۹۔۳۰۰}

مولانا محمد یوسف صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

امت ہونے کیلئے اور مسلمانوں کے ساتھ خدائی مدد ہونے کیلئے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ مسلمانوں میں نماز ہو، ذکر ہو، مدرسہ ہو، مدرسہ کی تعلیم ہو...... اس لئے میں کہتا ہوں کہ صرف کلمہ اور تسبیح سے امت نہیں بنے گی۔ امت معاملات اور معاشرت کی اصلاح سے اور سب کا حق ادا کرنے اور سب کا اکرام کرنے سے بنے گی بلکہ جب بنے گی جب دوسروں کیلئے اپنا حق اور اپنا مفاد قربان کیا جائے گا۔ {تقریر مولانا محمد یوسف ۳۰ مارچ ۱۹۶۵ء رائے ونڈ}

گذشتہ صفحات میں بغرض اصلاح اور جذبہ خیر خواہی کے پیش نظر تبلیغی احباب کی بعض انفرادی واجتماعی بے اعتدالیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ان حضرات کی نادانی، جہالت اور تبلیغ کی شرعی حقیقت سے ناواقف ہونے پر مبنی ہے۔ ان بعض حضرات کی اس نادانی اور جہالت کی وجہ سے پوری تبلیغی جماعت کو غلط سمجھنا اور ان جیسا سمجھنا درست نہیں ہے۔ یہ اہل حق کی جماعت ہے اور بحیثیت مجموعی صحیح جماعت ہے، اس پر خیر غالب ہے اس کے ذریعے اللہ

کی مخلوق کو دینی نفع پہنچ رہا ہے جو انتہائی قابل قدر ہے، اعتدال پر قائم رہتے ہوئے اور افراط وتفریط اور غلو سے بچتے ہوئے اس جماعت کے ساتھ تعاون اور شرکت بلاشبہ نافع اور مفید ہے۔ بعض افراد کی نادانی، جہالت اور بسا اوقات بداخلاقی کی وجہ سے ساری جماعت کو الزام دینا اور اس کی نافعیت سے انکار کرنا غلط اور جہالت ہے۔ اللہ اکابرین تبلیغی جماعت کو تمام انفرادی واجتماعی بے اعتدالیوں کو دور کرنے اور ستر سال سے مسلسل دین کی جو جزوی دعوت دی جارہی ہے اسے مولانا الیاس صاحبؒ کی خواہش کے مطابق کلی دعوت میں تبدیل کرنے اور دین کے دیگر شعبوں (سیاسی، معاشی، معاشرتی وسماجی، عسکری اور خانقاہی) میں خدمات انجام دینے والوں کی قدر افزائی اور ان کے ساتھ تعاون کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

﴿تحریک اصلاح معاشرہ﴾

انسان مدنی الطبع ہے اس لئے ''معاشرت'' مل جل کر رہنا اس کی فطرت میں شامل ہے۔ معاشرہ کا بنیادی طور پر اچھا یا برا ہونا مقصد کی اچھائی یا برائی پر موقوف ہے۔ جب کسی معاشرہ کے افراد امانت ودیانت، تقویٰ وطہارت اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہوتے ہیں تو وہ معاشرہ ''اسلامی معاشرہ'' کہلاتا ہے۔ اقوام عالم کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جب کوئی معاشرہ ظلم وزیادتی، جبر وتشدد اور دولت واقتدار کی ہوس میں دوسروں کے حقوق پامال کرتا ہے تو قانون مکافات عمل حرکت میں آجاتا ہے۔ اور وہ معاشرہ تباہ وبرباد ہوکر رہ جاتا ہے۔

کسی معاشرہ کی بقاء فناء، قوت وضعف اور ترقی وتنزل کا مدار اس کے اجتماعی معاشرتی اخلاق اور سیرت وکردار کی بلندی پر موقوف ہے جو معاشرہ جس قدر سیرت وکردار کے اعتبار سے بلند ہوگا اسی قدر وہ دنیا میں سربلند ہوگا۔ ایک روایت کے مطابق ''کل شی ینقص الا الشر فانه یزاد فیه'' کہ دنیا کی ہر چیز روبہ تنزل ہے سوائے برائی کے کہ اس میں برابر اضافہ اور ترقی ہوتی رہے گی۔

پہلے زمانے میں نیکی زیادہ اور بدی کم تھی لیکن زمانہ جوں جوں ترقی کرتا گیا بدی اور برائی بھی اسی رفتار سے بڑھتی گئی۔ آج ہمارا معاشرہ سماجی برائیوں سے پر ہے۔ عقائد،

﴿تعارف مؤلف﴾

یہ ۲۷ جولائی ۱۹۹۰ء کا ایک گرم دن تھا۔ جمعہ کا مبارک روز تھا۔ مساجد کے لاؤڈ سپیکروں سے ایک ولی کامل کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے اعلانات کی صدائیں بلند ہو کر ماحول کو افسردہ کر رہی تھیں۔ تعلق والا ہر دل غمزدہ اور ہر آنکھ نمناک و اشکبار تھی۔ جمعہ کی نماز کے بعد لوگ پیادہ و سوار کمیٹی گراؤنڈ کی طرف کھچے چلے آ رہے تھے اور زبان حال سے جانے والے کی طویل اور صبر آزما محنت و جہد پر اس کا شکریہ ادا کر رہے تھے جو اس نے ان کے عقائد و اعمال کی اصلاح کے لئے کی تھی، وہ شکستہ دل، پرنم آنکھوں اور رنجیدہ جذبات کے ساتھ اسے دار فانی سے دار بقا کی طرف الوداع کہہ رہے تھے۔

لیکن شخصیات سے زیادہ ان کے مشن سے محبت کرنے والے، امت کا درد سینوں میں رکھنے والے اور ایک عالم کی موت کو ایک عالَم کی علمی، عملی، اخلاقی و تہذیبی موت سمجھنے والے عجیب سی ذہنی کشمکش سے دوچار تھے۔ حضرت قاضی صاحب مرحومؒ کے وصال کے صدمے اور غم کے ساتھ ساتھ ایک اور غم بھی انہیں کھائے جا رہا تھا۔ ان کے دلوں میں عجیب و غریب خیالات اٹھ رہے تھے۔ کیا حویلیاں اور اس کے وسیع و عریض مضافات کا دینی ماحول ایک دفعہ پھر مذہبی راہزنوں اور دینی لٹیروں کے رحم و کرم پر آ جائے گا؟ کیا ایک دفعہ پھر توحید کی جگہ شرک اور سنت کی جگہ بدعت لے لے گی؟ کیا ایک دفعہ پھر سنیت کے لبادے میں رفض پروان چڑھے گا اور اہل بیتؓ کی محبت کے حسین مگر پرفریب پردے میں اصحاب رسول کی تکفیر و تفسیق سر عام کی جانے لگے گی؟ کیا حویلیاں اور مضافات کے غیور عوام جو شرک و بدعت اور رفض و کفر کے چنگل سے ابھی ابھی نکل پائے تھے اور ان کے زخموں سے چور چور ایمانی اجسام کو بمشکل سہارا ملا تھا، ایک دفعہ پھر تاک میں بیٹھے ایمانی ڈاکوؤں کی سنگینوں کی زد میں آ جائیں گے؟ یہ اور اس طرح کے کئی سوالات دینی درد اور ایمانی تڑپ رکھنے والے کتنے ہی مخلص افراد کے دلوں کو مزید پریشان کر رہے تھے۔ اس پریشانی میں کسی قدر کمی اس وقت ضرور آئی جب سب نے حضرت قاضی صاحبؒ کے جانشین کا نام اور اس کی بطور جانشین تقرری کا اعلان سنا اور جنازہ گاہ ہی میں حضرت مولانا

سمیع الحق صاحب مدظلہ کے ہاتھوں ان کی دستار بندی ہوتے دیکھی کیونکہ یہ تمام لوگ ۱۸ سال سے بالعموم اور حضرت قاضی صاحبؒ کی علالت یا کشمیر کے اسفار کے دوران بالخصوص اس عظیم شخصیت کی صلاحیتوں سے کسی حد تک واقف ہو چکے تھے جنہوں نے کماحقہ اپنے آپ کو حضرت قاضی صاحبؒ کی جانشینی کا اہل ثابت کیا۔ لیکن یہ بات قلبی اضطراب کو باقی رکھے ہوئے تھی کہ بڑوں کے نقش پا پہ قدم رکھ کر چلنا کچھ اور ہوتا ہے اور کانٹے دار جھاڑیوں سے خود راستہ ڈھونڈنا کچھ اور، بزرگوں کے اشارے سے تعمیل حکم کرتے جانا آسان ہے جبکہ راہ عمل کو خود متعین کرنا بڑا مشکل، پھر بالخصوص جبکہ مقابلے میں محدث ہزاروی کہلانے والی بھاری بھر کم، عمر رسیدہ، تجربہ کار اور حیلہ ومکر میں ماہر شخصیت موجود ہو۔ کیا اس کا مقابلہ منبر ومحراب، کوچہ وبازار اور احاطہ سرکار میں کرنا اس خداداد صلاحیتوں سے مالا مال مگر کم تجربہ رکھنے والے جانشین کے لئے ممکن ہوگا؟

آنے والے وقت نے اس کا جواب ہاں میں دیا۔ اس جانشین نے نہ صرف اپنے آپ کو حضرت قاضی صاحبؒ کا صحیح خلف ثابت کیا بلکہ ان کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ منبر ومحراب ہو یا عدالت کا کٹہرا اس نے اپنے مرحوم والد کی احقاق حق اور ابطال باطل کی سنت جاریہ کو مزید تقویت بخشی اور تحریر وتقریر اور تدریس ہر سہ میدانوں میں اپنے متوسلین و متعلقین کی صحیح راہنمائی کو اپنی زندگی کا مشن ومقصد بنایا۔ وہ عظیم شخصیت حضرت قاضی صاحب مرحوم کے اجل فرزند حضرت مولانا علامہ پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی مدظلہ کی ہے جنہیں حضرت قاضی صاحبؒ کی وصیت کے مطابق دینی امور میں ان کا جانشین مقرر کیا گیا۔

حضرت قاضی صاحب ۹ جنوری ۱۹۵۳ء کو ضلع ہزارہ کے مشہور و تاریخی قصبہ رجوعیہ میں پیدا ہوئے۔ جس گھرانے میں آپ نے آنکھ کھولی وہ گھرانہ تقویٰ وللہیت میں بلند پایہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس وقت علاقہ بھر میں دینی علوم کی اشاعت کیلئے درس وتدریس کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھا۔ راقم الحروف نے اپنے والد مرحوم اور دیگر کئی بزرگوں سے ہزارہ بھر کے جن تین مشہور مدارس کا تذکرہ بارہا سنا ہے ان میں سے رجوعیہ کا یہ مدرسہ سرفہرست ہے۔ خاندان کے بزرگوں کا اوڑھنا بچھونا جب علم ہو تو اس سے استفادہ میں کون

سی چیز مانع ہوتی ہے لہٰذا ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد حضرت مولانا قاضی چمن پیرؒ اور اپنے تایا جناب حضرت مولانا قاضی عبدالواحدؒ سے حاصل کی۔ حضرت مولانا قاضی عبدالواحدؒ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور محدث کبیر، استاذ المعقول والمنقول حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے شاگرد رشید تھے۔ ابتدائی تعلیم کے اس دور میں محنت و لگن کا یہ عالم تھا کہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے بقول مڈل کلاسوں کی تعلیم کے دوران عربی میں ایسی مہارت ہوگئی تھی کہ اردو زبان میں تقریر کرنے والے مقرر کی پوری تقریر کو ساتھ ساتھ عربی میں لکھ لیا کرتا تھا۔

اس دور میں چونکہ مدارس کی اتنی کثرت وسہولت نہ تھی جتنی سہولت آج کے دور میں ہے لہٰذا قرآن مجید کے حفظ اور تجوید کی تعلیم کے شوق نے آپ کو ترک وطن پر مجبور کیا اور آپ نے لاہور کے مشہور دینی مدرسہ "مدرسہ تجوید القرآن" موتی بازار میں داخلہ لے لیا۔ اس مدرسہ میں اس وقت برصغیر کے عظیم قراء جناب قاری فضل کریم صاحبؒ اور جناب قاری محمد شریف صاحبؒ مسند آرائے تدریس تھے، آپ نے ان سے ایک سال تک استفادہ کیا۔ قرآن مجید کے آخری چند پارے حفظ کیے اور علم تجوید سے کچھ مناسبت پیدا کی اس کے بعد آپ نے اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے بہاولپور کا رخ کیا۔

۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۲ء تک آپ نے حصول علم کی خاطر بہاولپور میں قیام کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ملک خداداد پاکستان میں صرف ایک یونیورسٹی ایسی تھی جس میں دینی و دنیاوی علوم درجات علیا تک پڑھائے جاتے تھے (اس وقت یہ ایک یونیورسٹی بھی غنیمت تھی ورنہ آج تو باوجود کثرت وسائل واسباب پورے ملک میں کوئی ایک یونیورسٹی یا سرکاری ادارہ بھی ایسا نہیں جو دونوں طرح کے علوم کو یکجا کرنے والا ہو) پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ملک کے جید اور چوٹی کے علماء اس میں رونق افروز تھے۔ حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانیؒ، علامہ احمد سعید کاظمیؒ، مولانا عبدالرشید نعمانیؒ، مولانا لطافت الرحمانؒ، مولانا حبیب اللہ شاہ بنوریؒ، علامہ ڈاکٹر الٰہی بخش جاراللہؒ اور مولانا حسن الدین ہاشمیؒ جیسی عظیم شخصیات سرفہرست ہیں۔

آپ نے جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں اپنے نو سالہ قیام کے دوران درس نظامی کی

تکمیل کی اور "الشہادۃ العالمیہ" کی سند کے ساتھ ساتھ میٹرک، ایف اے اور بی اے کی اسناد بھی حاصل کیں۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں اس وقت حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ شیخ التفسیر اور علامہ احمد سعید کاظمیؒ شیخ الحدیث تھے، آپ کی محنت و لگن اور ذہانت و فطانت کو دیکھ کر حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ نے آپ کو "سند تفسیر القرآن الکریم" اور حضرت علامہ احمد سعید کاظمیؒ نے "سند الا جازۃ فی روایۃ الحدیث" کی اضافی و اعزازی سندات سے نوازا۔ حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے اپنے تمام اساتذہ سے خوب خوب استفادہ کیا لیکن مذکورہ بالا دو شخصیات کے ساتھ تعلق خاطر زیادہ تھا، پھر ان میں سے بھی آپ کی طبیعت و مزاج اور علمی ذوق پر حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ کے تفسیری و تحقیقی ذوق کا اثر غالب ہے۔

۱۹۷۳ء میں آپ دینی و دنیوی علوم میں مہارت حاصل کرنے کے بعد وطن واپس آ گئے یہاں آپ کو مدرسہ معہد القرآن مانسہرہ کے مہتمم، ہزارہ کے مشہور و معروف قاری جناب قاری فضل ربی صاحب نے "سند القرأت و التجوید للفرقان المجید علیٰ روایۃ حفص" کی اعزازی سند عطا کی۔ ۱۹۷۲/۷۳ء میں گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج ایبٹ آباد میں پہلی دفعہ شعبہ انگریزی کے ایم اے سال اول کا اجراء ہوا، آپ نے بحیثیت باقاعدہ طالبعلم (Regular student) اس میں داخلہ لیا لیکن کالج کے نامساعد حالات ان نئے طلبہ کا ساتھ دینے اور ان کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے متحمل نہ ہو سکے جس کے باعث ایم اے انگلش کی تکمیل نہ ہو سکی اور اسے درمیان میں ہی چھوڑ دینا پڑا (بعد میں ان کے دو صاحبزادوں قاضی محمد عامر علی اور قاضی محمد عاصم علی نے پشاور یونیورسٹی سے ایم اے انگلش کی ڈگریاں حاصل کیں جبکہ آپ کے تیسرے صاحبزادے قاضی محمد قاسم علی وفاق المدارس العربیہ کے ممتاز حیثیت میں فارغ التحصیل، ایک جید و باصلاحیت عالم اور پشاور یونیورسٹی سے بی اے کے ڈگری یافتہ ہیں)

جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے استاذ اور تایا حضرت مولانا قاضی عبدالواحد صاحب حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے شاگرد

رشید تھے۔اسی طرح علامہ شمس الحق افغانیؒ اور مولانا انظر شاہ صاحب بھی حضرت انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے شاگرد تھے۔اس طرح حضرت قاضی صاحب صرف ایک واسطہ کے ساتھ حضرت کشمیریؒ کے شاگرد قرار پاتے ہیں ۔حضرت انظر شاہ صاحبؒ ۱۸۔اکتوبر ۱۹۸۲ء کو جب حویلیاں تشریف لائے تو قاضی صاحب نے ان کی معیت میں بالاکوٹ تک سفر کیا۔راستے میں جامعہ حسینیہ شنکیاری میں موصوف نے درس حدیث دینے کے بعد دیگر علماء کرام کے ساتھ آپ کو بھی ''سند الاجازة فی روایة الحدیث '' عطا کی۔یہ تعلق بعد میں بھی قائم رہا اور حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ مدظلہ فرزند حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ جب بھی ہزارہ تشریف لاتے تو حضرت قاضی صاحب مدظلہ کو ساتھ رکھتے اور ان کے دولت خانہ پر تشریف لاتے۔

۱۹۷۶ء میں مصر کے قاہرہ ریڈیو نے ریڈیو کے ذریعے عربی کی تعلیم کا بندوبست کیا جسے ''تعلیم العربیه با لرا دیو '' کا نام دیا گیا۔آپ نے اس پروگرام کے تین مرحلوں کی مکمل تعلیم حاصل کی۔جبکہ ۱۹۷۶ء ہی میں پشاور یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات اور ۱۹۷۷ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم اے عربی کی ڈگریاں حاصل کیں۔۱۹۷۸ء میں پبلک سروس کمیشن صوبہ سرحد کا امتحان پاس کر کے لیکچرر برائے اسلامیات و عربی منتخب ہوئے۔۱۹۹۲ء میں اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدے پر ترقی ملی اور اب ایسوسی ایٹ پروفیسر کی حیثیت سے تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

حضرت قاضی صاحب مدظلہ کی ولادت و پرورش اس دور میں ہوئی جو دور پاکستان کی دینی و سیاسی تاریخ میں تحریکی دور کہلاتا ہے۔اس دور میں مختلف دینی تحریکیں زوروں پر تھیں،جن میں سب سے زیادہ مضبوط و منظّم تحریک ''تحریک ختم نبوت'' تھی جو کہ آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت پر نقب لگانے والے مرزائیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے لئے چلائی گئی تھی۔اس تحریک کے دو مشہور مرحلے ہیں،پہلا مرحلہ پچاس کی دھائی کا ہے جسے ۵۳ء کی تحریک کہا جاتا ہے اور دوسرا مرحلہ ستر کی دھائی کا ہے جسے ۷۴ء کی تحریک کہا جاتا ہے (کیونکہ ۷۴ء میں قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے

اگر چہ یہ تحریک ۷۴ء سے بہت پہلے شروع ہوئی تھی) حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے تحریک ختم نبوت کے دوسرے مرحلے یعنی ۱۹۷۴ء کی تحریک میں بھرپور طور پر شرکت کی جسکا تذکرہ شاہین ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ کی مرتب کردہ کتاب ''تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء'' کے صفحہ ۷۵۸ پر موجود ہے۔ ختم نبوت کی تحریک میں آپ کی والہانہ خدمات ہی کے باعث آپ کو ۱۹۹۵ء اور ۲۰۰۳ء میں قادیانی ہیڈ کوارٹر چناب نگر (ربوہ) میں تحفظ ختم نبوت کانفرنس میں بحیثیت مقرر و خطیب شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔

اسلام میں رسالت و نبوت کے بعد صحابیت کو بلند و برتر مقام حاصل ہے لہٰذا ناموس رسالت کے دفاع کے بعد سب سے بڑھ کر کام ناموس صحابہ کا دفاع ہے۔ حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے جب عملی میدان میں قدم رکھا تو آپ کے والد گرامی کا نام نہاد محدث ہزاروی کے ساتھ معرکہ کارزار گرم تھا جو کہ سنیت کے لبادے میں رافضیت کو پروان چڑھا رہا تھا۔ حضرت قاضی صاحبؒ سادہ لوح مسلمانوں کے ایمانوں کے دفاع و تحفظ کے لئے رات دن ایک کئے ہوئے تھے، لہٰذا حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے لئے بھی اس معرکہ کارزار میں کودنا ضروری ہو گیا، جسکا آغاز انہوں نے ۱۹۸۳ء میں تعارف سیدنا معاویہؓ نامی کتاب لکھ کر کیا۔ پھر اس عملی میدان میں کام کرنے کا جو موقع آپ کو ملا وہ آپ ہی کا نصیب ہے۔ آپ نے آٹھ سال (۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۲ء) تک محمود شاہ نام نہاد محدث ہزاروی کے خلاف توہین سیدنا معاویہؓ کے ایک مقدمے کی پیروی کی اور سیدنا معاویہؓ کی شان و عظمت اور صحابیت کو آٹھ سال تک احاطہ عدالت میں اجلا کر کے پیش کرتے رہے۔ اس مقدمے کی پیروی کے علاوہ انتہائی صبر آزما اور تکلیف دہ صورت حال اس وقت بن گئی جبکہ کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق محدث ہزاروی نے ایبٹ آباد اور کوہاٹ کی مختلف عدالتوں میں ان کے خلاف جھوٹے مقدمات دائر کروا کر انہیں الجھانا اور پریشان کرنا چاہا، لیکن اللہ رب العزت کے فضل و کرم اور عنایت سے ان تمام جھوٹے مقدمات میں کامیابی حاصل ہوئی اور جھوٹے مدمقابل کو ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہ ملا، ان مقدمات کی پیروی اور اس دوران پیش آنے والے تائید و نصرت ایزدی کے حیرت انگیز واقعات عزیمت

واستقامت اور نصرت الٰہی کی وہ عجیب وغریب داستان ہے جو کہ ایک مستقل کتاب کی متقاضی ہے۔ انشاء اللہ اگر مشیت ایزدی نے یاوری کی تو جلد اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی جائے گی۔

تصوف اور طریقت شریعت اسلامی کا ایک وقیع وگرانقدر حصہ ہے جس سے دوری ایمان وعمل کے لئے انتہائی مہلک وخطرناک ہے (اس عنوان پر کتاب ہذا میں مؤلف علام نے جس خوبصورت اور جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے اس کے بعد مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں) اسی اہمیت کے پیش نظر حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے ۱۹۷۴ء میں بیعت کا تعلق صاحب السیف پیر طریقت، رہبر شریعت حضرت علامہ مفتی بشیر احمد پسروریؒ خلیفہ مجاز حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے قائم کیا، جن کا کسی قدر تفصیلی تذکرہ کتاب ہذا میں بقلم مؤلف آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اسی طرح طریقت وتصوف کے کچھ اسباق حضرت علامہ قاضی محمد زاہد الحسینیؒ خلیفہ مجاز حضرت لاہوریؒ، تلمیذ رشید حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے حاصل کئے۔

حضرت قاضی صاحب مدظلہ چونکہ ایک علمی خاندان کے فرد فرید ہیں اور خود بھی علمی وتحقیقی میدان میں وسیع درک رکھتے ہیں اس لئے آپ کو ملک کے جید واکابر علماء کرام کی سرپرستی وحمایت نہ صرف حاصل ہے بلکہ اجلہ اکابر وقتاً فوقتاً ان کے دولت خانہ پر رونق افروز ہو کر ان کے سر پر دست شفقت رکھتے اور اپنے علمی وتبلیغی اسفار میں انہیں اپنا راہبر و میزبان بناتے رہے، ۱۳۔ جولائی ۱۹۷۸ء کو مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری فرزند ارجمند حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، ۱۲۔ اپریل ۱۹۸۸ء کو حافظ الحدیث حضرت مولانا عبد اللہ درخواستیؒ، اور جون ۲۰۰۲ء کو حضرت مولانا رشید احمد پسروریؒ فرزند ارجمند حضرت مفتی بشیر احمد پسروریؒ حویلیاں تشریف لائے اور پھر ان تمام حضرات نے حویلیاں سے بالاکوٹ تک کا سفر کیا، شہدائے بالاکوٹ کے مزار پر گئے اور ان تمام اسفار میں حضرت قاضی صاحب ان حضرات کے میزبان اور راہبر تھے۔

حضرت قاضی صاحب مدظلہ کو اللہ رب العزت نے تحریری ذوق سے بھی خوب نوازا ہے۔ آپ کی تحریر شستہ، سلیس مگر تحقیق و تدقیق سے مالا مال ہوتی ہے۔ فن تحریر میں یدطولیٰ رکھنے والے بہت سے حضرات اس وقت اپنا وقار کھو بیٹھتے ہیں جبکہ اپنی تحریری کاوشوں کو چند ٹکوں کے عوض بیچنے لگتے یا کسی رعب و لالچ میں آ کر مداہنت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حضرت قاضی صاحب مدظلہ کو اللہ رب العزت نے جہاں فن تحریر میں مہارت کاملہ عطا فرمائی ہے وہیں پر ایسی مذہبی غیرت و دینی حمیت سے بھی نوازا ہے جو کسی بڑی سے بڑی دستار یا لمبے جبے سے مرعوب ہونے کی بجائے دلیل کی طاقت کو تسلیم کرتی اور اس کے آگے ہتھیار ڈال دیتی ہے۔ آپ کی چھوٹی بڑی تقریباً دس کتب اور ملک کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے تحقیقی مقالات و مضامین میں اعلیٰ پائے کی تحقیق و تدقیق کے ساتھ ساتھ اس دینی غیرت و حمیت کے بے شمار نمونے ملتے ہیں۔ آپ کی تصانیف میں اصلاح معاشرہ۔ تحقیق نکاح سیدہ۔ تعارف سیدنا معاویہؓ۔ تذکرہ سیدنا معاویہؓ۔ سیدنا معاویہؓ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ۔ اہل بیتؓ رسول ﷺ کون ؟۔ فرقہ مسعودیہ نام نہاد جماعت المسلمین کا علمی محاسبہ۔ شیعیت، تاریخ و افکار۔ حدیث کلاب حوأب کا مصداق کون؟۔ حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ اور زیر نظر کتاب سرگذشت ہاشمی شامل ہیں۔ ان کتب کے علاوہ وقتاً فوقتاً آپ کے تحقیقی مضامین ملک کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں جن میں ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان، ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی، ماہنامہ خلافت راشدہ فیصل آباد، خلافت راشدہ جنتری، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج ایبٹ آباد کا میگزین ''کاغان'' قابل ذکر ہیں۔ آپ کی علمی و تحقیقی کتب کو ملک کے جید علماء کرام نے سراہا اور کئی ایک مشہور و معروف رسائل نے ان پر وقیع تبصرے کیے ہیں جن کی کچھ جھلک آپ زیر نظر کتاب کے آخری صفحات پر پائیں گے۔

حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے اپنے والد گرامی حضرت قاضی چمن پیر الہاشمیؒ کی جانشینی کے اس عظیم منصب کو جس حسن و خوبی کے ساتھ سنبھالا وہ آپ کی زندگی کا انتہائی اہم اور قابل تعریف پہلو ہے۔ اپنی تمام تر معاشی و معاشرتی مصروفیات کے ساتھ ساتھ

مرکزی جامع مسجد کی خطابت کے علاوہ حویلیاں ومضافات حویلیاں اور کشمیر میں پھیلے ہوئے حضرت قاضی صاحبؒ کے مریدین ومتعلقین اور دینی ومذہبی جذبہ سے سرشار غیور مسلمانوں کی سرپرستی وراہنمائی حضرت قاضی صاحبؒ ہی کی طرز پر جاری رکھے ہوئے ہیں۔اس کے علاوہ پاکستان وکشمیر کی مختلف دینی وغیر سیاسی تحریکوں کے ساتھ والہانہ وابستگی اور دینی کارکنوں کی صحیح خطوط پر راہنمائی آپ کا وصف خاص ہے۔رب العزت ہمیں اس گوہر تاباں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور ان کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر سلامت رکھے، آمین۔

آصف محمود

مدرس مدرسہ امام اعظم ابوحنیفہؒ

نائب خطیب مرکزی جامع مسجد

سیدنا امیر معاویہؓ چوک حویلیاں